نارائن وِدیاک مالا (اوم) موتی نمبر ۱۳

بھگتی اور ویدانت

مُصنّفہ

مشہور عالم شریمان سوامی وویکانند جی مہاراج

مُترجمہ

شانتی نرائن

مُصنّف۔ نارائن چرتر۔ کرشن چرتر۔ دیانند چرتر

پرکاشک

بلسرز نارائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب پبلشرز لوہاری دروازہ لاہور

بار اوّل ایکہزار قیمت عہ

مشہور عالم فخر ہند سوامی وویکانند جی مہاراج کی دو نادر زمانہ تصانیف

بھگتی کرم اور گیان کی بے مثال کتب!

۱- بھگتی:- یہ سوامی وویکانند جی مہاراج کی مشہور و معروف تصانیف میں سے ایک تصنیف ہے جس میں آپ نے بھگتی مارگ کی مختصر تشریح و توضیح کر کے اسکی عظمت و برتری کو ثابت کیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس میں یہ بھی بتلایا گیا ہے۔ کہ کسطرح اس طریق کی اپنی اپنی جگہ پر پیروی بلا تمیز و تخصیص مذہب و ملت بنی نوع انسان کے لئے انکی آئندہ بہتری و بہبودی کا باعث ہو سکتی ہے۔

صرف یہی نہیں۔ بلکہ بھگتی کے بغور مطالعہ کرنے سے ناظرین پر یہ بھی بخوبی ظاہر ہو جائیگا۔ کہ اس وقت دنیا میں جو جدوجہد اور کشمکش پھیل رہی ہے۔ اسکا اگر کوئی حل ممکن ہے۔ تو اسی بھگتی مارگ کی پیروی سے ممکن ہے۔ کیونکہ یہ مارگ پریم پریتی۔ محبت اور ہمدردی خدا پرستی اور خدا ترسی کا سچا مارگ ہے۔ قیمت ۱۲

۲- بھگتی رہسیہ (آنہ):- شری سوامی وویکانند جی مہاراج کے ان مشہور عالم لیکچروں کا مجموعہ ہے جو آپ نے امریکہ میں بھگتی مارگ کی وضاحت میں دیئے تھے۔ اور جنکو سنکر امریکہ کے بیشمار اہل خیال و صاحب دماغ حضرات نہ صرف آپکے مداح و معتقد ہی ہو گئے۔ بلکہ ہندوستان اور ہندوستانیوں سے بھی سچا پریم کرنے لگے۔ ان لیکچروں میں بھگتی مارگ کے بہت سے راز اور عقدے نہایت آسان طور پر حل کر کے سمجھائے گئے ہیں۔ اور جن باتوں کو بھگتی میں محض اشارتاً بیان کیا گیا ہے۔ انکی اس میں پوری پوری تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ جن اصحاب نے بھگتی کا مطالعہ کیا ہے۔ انکو بھگتی رہسیہ کا بھی ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب تک وہ ہر دو کتب کا بغور مطالعہ نہ کریں گے وہ بھگتی جیسے اہم مضمون کو سمجھنے کے قابل نہ ہو سکینگے

ابتدائی الفاظ

پریمی ناظرین!

بھگتی اور ویدانت اپنے سلسلے کی تیسری کتاب ہے۔ جن سجنوں نے اس سے پہلے بھگتی اور بھگتی رسیہ کا مطالعہ کیا ہے۔ انہیں اگر اس کتاب میں کسی قدر انہیں خیالات کا اعادہ ملیگا۔ جو پہلے وہ ان دونوں کتابوں میں پڑھ چکے ہیں۔ لیکن ایک مختلف پیرائے اور مختلف رنگ میں۔ اسلیئے مجھے یقین ہے۔ کہ انہیں خیالات تعلیمات و تمثیلات کا یہ بار بار دوہرایا جانا بھی انہیں تذکرہ کا مزا دیگا۔ اور اس نہایت ہی اہم مضمون کو اچھی طرح ان کے ذہن نشین کر کے۔ انہیں میدانِ عمل میں مردانہ وار قدم بڑھانے کے لیئے آمادہ و کمر بستہ کریگا۔

جب کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ یہ سلسلہ کتب سوامی وویکانند جی مہاراج کے مختلف لیکچروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو آپ نے اپنی مختصر سی زندگی کے دوران میں امریکہ اور ہندوستان میں دیئے تھے۔ اسلیئے لازمی طور پر ان میں بار بار وہی خیالات دہرائے گئے ہیں۔ کیونکہ ایک مصنف کو ایک کتاب تصنیف کرتے وقت اس امر کا جتنا خیال رہتا ہے۔ کہ کسی خیال یا بات کا بار بار اعادہ نہ ہو۔ اتنا ایک مقرر کو نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اسکے سامنے ہر وقت سامعین کا ایک نیا مجمع ہوتا ہے۔ جنکے لیئے وہ بار بار کی دہرائی ہوئی باتیں بھی ہمیشہ نئی ہی ہوتی ہیں۔

اور پھر یہ گیان دھیان نیز بھگتی اور پریم کی باتیں تو کبھی پرانی ہوتی ہی نہیں۔ جس طرح دو پریمیوں کو آپس میں اپنی پر محبت زندگی کے واقعات بار بار دہرانے اور یاد کرنے میں ایک خاص لطف آتا ہے۔ اور کبھی سیری نہیں ہوتی۔ اسی طرح گیان کیسے کتھاؤں اور گیان کی باتوں کے پڑھنے اور سننے میں بھی بھگت منڈل کو خاص آنند ملتا

اسی لئے تو رامائن مہابھارت بھاگوت پران۔ وید۔ شاستر۔ انجیل۔ قرآن وغیرہ وغیرہ
کا لوگ بار بار پاٹھ کرتے ہیں۔ اور ہر پاٹھ میں ایک نیا ہی لطف پاتے ہیں۔ اسی لئے
مجھے یقین ہے۔ کہ اس کتاب کے مطالعہ سے بھی معزز ناظرین ہر طرح بہرہ اندوز و لطف اندوز
ہونگے۔ اور اسے بار بار پڑھکر سورگباسی سوامی جی کی روح پرور تعلیمات کو اپنی زندگی
کا ایک عنصر بنائیں گے۔ نیز اس کتاب کے آخری صفحات میں سوامی جی مہاراج نے
حب الوطنی۔ قومی خدمتگذاری۔ اچھوت ادھار۔ ملکی اخوت۔ جانی پریم اور
سب سے بڑھکر وشو پریم کا جو سبق دیا ہے۔ اسکی اہمیت و عظمت کو خوب اچھی طرح اپنے
دل نشین کر کے یہ سمجھیں گے۔ کہ اسوقت انکے پیش نظر خواہ کسی طرح کی بھی ترقی
کیوں نہ ہو خواہ وہ ذاتی ہو مجلسی ہو صنعتی و حرفتی ہو مذہبی ہو۔ ملکی و سیاسی ہو۔ یا
کل بنی نوع انسان کی ترقی سے ہی کوئی خاص تعلق نہ رکھتی ہو۔ سب کیلئے ہی
سوامی وویکانند جی کا پیش کردہ پروگرام اور ان کی محیط کل تعلیمات ایک خاص اور اہم
معنی رکھتی ہیں۔ اور انکی پیروی خاص طور پر ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ کیونکہ
سوامی وویکانند اور ان کے گورو دیو پرم ہنس رام کرشن جی کا ویدانت دیگر ویدانتیوں
کی مانند یہ تعلیم نہیں دیتا۔ کہ اپنے آپکو برہم سمجھکر دین و دنیا کی طرف سے بے
فکر ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو۔ اور خود اپاہج و بےدست و پا بنکر قوم ملک
کیلئے ایک بار گراں بن جاؤ۔ بلکہ انکے ویدانت کا لفظ لفظ زبان حال سے ہمیں
پکار پکار کر بے خوفی اور جرأت سے قوم اور ملک۔ بیکسوں و بے بسوں کی خدمت کیلئے
ابھار رہا ہے۔ اور اس خدمت کو ہی اپنی ذاتی ترقی۔ مجلسی ترقی۔ ملکی ترقی۔ اور کل
بنی نوع انسان کی ترقی کا ذریعہ ظاہر کر رہا ہے۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ ان سطور کا
مطالعہ کرنیوالے نکتہ رس ناظرین ہر طرح کی تنگ خیالیوں سے بالاتر ہو کر ان سطور کے
لفظ لفظ بلکہ حرف حرف کے اندر چھپے ہوئے گہرے معنوں کو تلاش کرنے اور سمجھنے کی کوشش

کرکے اپنی زندگی کو عملی طور پر انکے سانچے میں ڈھالنے کی سچے دل سے سعی کریں گے تاکہ انکی زندگی قوم و ملک کے لئے باعثِ برکت ثابت ہو کر خود انکی ادھار اور روحانی عروج کا بھی ذریعہ بن سکے۔

جو سجن ان کتب کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہو کر آئندہ اس سلسلہ سے مستفید ہونا چاہیں ان سے درخواست ہے۔ کہ وہ محض میری حوصلہ افزائی کیلئے اپنے اس فیصلے سے مجھے لالہ نارائن دت جی سہگل پبلشرز کتب ہذا کی معرفت ضرور مطلع فرمائیں تاکہ میں اس سلسلے کو آئندہ جاری رکھنے کا حوصلہ کر سکوں۔ بلکہ اگر ممکن ہو۔ تو اسے ایک باقاعدہ ماہواری رسالے کی شکل دینے کی جرأت کر سکوں؛

لاہور مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۳۴ء خیر اندیش دعاگو شانتی نارائن۔

فہرست مضامین

بھگتی اور ویدانت

پہلا لیکچر

میرے گرودیو

[illegible]

بھگوان کرشن چندرجی نے گیتا میں فرمایا ہے کہ جب جب دنیا سے دھرم اُٹھ جاتا ہے۔ اور پاپ بڑھ جاتا ہے۔ تب تب ہی میں بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے اوتار لیا کرتا ہوں"۔

بہ الفاظِ دیگر بھگوان فرماتے ہیں۔ کہ جب کثرت تعداد یا دیگر بواعث کی وجہ سے دنیا میں کسی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ تب ہی کسی نئی اور عجیب و غریب شکتی کا دنیا میں ظہور ہوا کرتا ہے۔

دو میدان ہائے عمل

دنیا میں انسان کے لئے دو میدان عمل ہیں۔ ایک دنیوی۔ دوسرا روحانی اسی لئے انقلاب بھی دونوں ہی میدان ہائے عمل میں رونما ہوا کرتا ہے۔ زمانہ حال میں اگرچہ یورپ سب سے بڑھ کر دنیاوی عمل و فعل کا جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ مگر ایک قدیم ! نہایت قدیم زمانہ تھا۔ جب کہ ہمارا بھارت ورش ہی دنیا بھر میں روحانی ترقی کا سب سے عظیم الشان مرکز مانا جاتا تھا۔

آج بھی میدان روحانیت میں انقلاب کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ آج جب کہ مادہ پرستی اپنی شہرت و عظمت کی بلند ترین چوٹی پر جلوہ فگن ہے اور یہ عین ممکن نظر آتا ہے۔ کہ اس مادہ پرستی کے جال میں پھنسا انسان اپنی بہشتی اور روحانی خصوصیتوں کو بالکل ہی بھول جائے۔ اور دنیاوی اشیاء پر روز افزوں انحصار کرتا ہوا صرف روپیہ پیسہ پیدا کرنے کی ایک مشین ہی

بن جائے۔ اسی لئے حالات موجود ہیں۔ ہر طرف ایک زبردست روحانی انقلاب کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے ۔

ایک نئی طاقت کا ظہور

چنانچہ مادہ پرستی کی ان روز افزوں گھرتی ہوئی۔ اندھیری گھٹاؤں کا قلع قمع کرنے کے لئے دنیا میں ایک نئی طاقت کا ظہور ہو چکا ہے۔ میدان کارزار میں طبل جنگ بج رہا ہے۔ یہ طاقت نمودار ہو کر دنیا بھر میں بنی نوع انسان کو اس کی بھولی ہوئی بہشتی خصوصیات کی یاد پھر تازہ کرائیگی۔ اور ایک مرتبہ پھر اس طاقت کی عالمگیر حکومت اس کی جائے پیدائش یعنی ایشیا میں ہی قائم ہوگی ۔

مغرب و مشرق

نظام قدرت میں مختلف انسانوں کے کام منقسم ہیں۔ کیونکہ ایک ہی انسان دنیا بھر کے سب کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ ہم کتنے کم عقل ہیں جو اس معمولی سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ایک معمولی بچہ بھی یہ سمجھتا ہے۔ کہ دنیا میں اس کے دل میں اگر کوئی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔ تو وہ خواہش صرف ایک چھوٹی سی گڑیا کی ہے۔ جس سے وہ کھیل سکے۔ اسی طرح ایک دنیا پرست قوم بھی۔ جس نے ایک بہت بڑی مادی طاقت حاصل کر رکھی ہے۔ یہ سمجھتی ہے کہ بس! اس نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔ وہ اب

ترقی کے بام عروج پر پہنچ چکی ہے۔ اسے تہذیب و تمدن کی منزلِ مقصود حاصل ہو چکی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں دیگر اقوام کی جنہیں یہ ترقی نصیب نہیں۔ زندگی بے سود ہے۔ نہیں! نہیں!! بلکہ انہیں اب زندہ رہنے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں اگر وہ زندہ رہیں تو محض اس کے نگاہ کرم سے زندہ رہیں۔ ورنہ خس کم جہاں پاک!

لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور قوم بھی ہے۔ جو اس مادی ترقی کو بالکل ہیچ و ناکارہ خیال کرتی ہے۔ مشرق نے ایک مرتبہ بآوازِ بلند و ببانگ دہل یہ اعلان کیا تھا۔ کہ "اگر کسی شخص کو زمین و آسمان کی تمام اشیا پر قابو حاصل ہے۔ لیکن وہ روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ تو وہ حقیقتاً ایک کنگال اور مفلس فقیر سے بھی بڑھ کر بیچارہ و درماندہ ہے" یہ ہے مشرقی خیالات کا معراجِ تخیل جو مغرب کی مادہ پرستی کے بالکل متضاد و مخالف ہے۔

ہر کسے بخیال خویش خبطے دارد

دونوں اپنے اپنے رنگ میں مست ہیں۔ دونوں کی نگاہوں میں اپنی اپنی تہذیب زینت ہے۔ اور دونو ہی اپنی اپنی عزت و احترام میں بیخود ہیں۔ لیکن آج ان دونوں طاقتوں اور دونوں آدرشوں کی باہمی ہمدردی و باہمی اتحاد کی ضرورت ہے۔ مشرق کی نظروں میں عالم روحانیت اتنا ہی سچا اور پُر از صداقت ہے جتنا کہ مغرب کے لئے اس کی مادہ پرستی۔ جہاں مغرب کو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے دنیا بھر کے عیش و آرام کے وسائل و سامان

حاصل ہیں جملہ لوازمات و نعمت ہائے گوناگوں موجود ہیں۔ اور مغرب کی نگاہوں میں مشرق
محض ایک ناممکن التکمیل خواب دیکھ رہا ہے۔ وہاں مشرق کے نقطۂ خیال سے
مغرب ایک طرح کے مایا سپن (خواب مسحور) میں مبتلا ہے۔ اور اسے یہ دیکھ
کر بہت ہنسی آتی ہے۔ کہ اچھی بھلی سمجھ بوجھ رکھنے والے مرد و عورت بھی ایک
مٹھی بھر خاک کو جسے انہیں آج یا کل ضرور بالضرور چھوڑنا پڑیگا کیسی عزت و
اہمیت دے رہے ہیں۔

حقیقت کیا ہے

غرضیکہ دونوں ایک دوسرے کو خواب اور وہم میں گرفتار سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقت
یہ ہے۔ کہ بنی نوع انسان کی ترقی کے لئے مغرب کا نصب العین بھی اتنا ہی
ضروری ہے۔ جتنا کہ مشرق کا ابھرا خیال ہے۔ کہ یہ مشینیں اور کلیں نہ تو اب
تک ہی کبھی حضرت انسان کو آرام و اطمینان بخش سکی ہیں۔ اور نہ آئندہ ہی عطا کر
سکیں گی۔ خواہ انہیں زمانہ آئندہ میں کتنی ہی ترقی کیوں نہ حاصل ہو جائے۔ لیکن
اس کے بالکل برعکس مغرب ہمیں یہ یقین دلاتا ہے۔ کہ دنیا بھر کی تمام آرام و
آسائش کا دارومدار ہی مشینوں پر ہے۔ نہ کہ انسان کے اپنے دل و دماغ پر۔ مگر
کیا یہ ایک امر حقیقت نہیں کہ صرف وہی شخص جو اپنے دل و دماغ کا مالک ہے
حقیقتاً شاد و مسرور ہے۔ اور دوسرا کوئی نہیں؟ بھلا ان بیچاری مشینوں کی تو
ہستی ہی کیا ہے جو کسی کو دائمی خوشی و شادمانی عطا کر سکیں۔ ذرا سوچئے تو سہی!
کہ ایک شخص جو تار کے ذریعے بجلی کی لہر بھیج سکتا ہے۔ اسے اتنی اہمیت و عظمت

کیوں دی جاتی ہے ؟ کیا مادر قدرت ہر لمحہ و ہر لحظہ اس سے بھی ہزار ہا درجہ زیادہ
تعجب انگیز و حیرت خیز کرشمے پیش نظر نہیں کرتی ؟ تو پھر قدرت کے قدموں میں
گر کر اسی کی پوجا کی جائے ۔ اس کے مقابلے میں انسان ضعیف البنیان کی ہستی
کیا ہے ؟

تمام دنیا پر بھی اگر تم نے قبضہ کر لیا ۔ تو کون سی بڑی بات ہے ؟ کیوں کہ
سچ پوچھو تو یہ تمہاری طاقت قدرت سے باہر ہے کہ تمام دنیا تو کیا ؟ دنیا
کے ایک معمولی سے ذرے پر بھی تم کسی طرح قابو حاصل کر کے دلی مسرت پا سکو ۔
جب خوش اور مطمئن ہونے کی طاقت تمہاری ذات خاص میں ہی موجود نہیں ۔
اور اگر تم نے اپنے آپ پر ہی فتح حاصل نہ کی ۔ تو صفحہ عالم کو فتح کر کے ہی کیا کیا ؟

نہ مارا آپ کو جو خاک سے اکسیر بن جاتا !
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا !!
پلنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا !

سمجھ کا پھیر

اس میں شک نہیں ۔ کہ انسان مادے پر فتح حاصل کرنے کیلئے
ہی پیدا ہوا ہے ۔ لیکن اہل مغرب مادے سے مطلب صرف بیرونی مادے
کا ہی سمجھتے ہیں ۔ اس اندرونی مادے کا نہیں ۔ جو انہیں طرح طرح کے
ناچ نچا رہا ہے ۔ اور جس نے ہر طرح انہیں اپنا غلام بنا رکھا ہے ۔

بلا شک و شبہ مادی دنیا بہت خوبصورت ہے۔ اس کے پہاڑ، دریا، سمندر سبھی کچھ نہایت دلکش و دلفریب ہیں۔ اس کی صورتیں اور شکلیں بے حد و بے حساب ہیں۔ اس کی قوتیں اور طاقتیں بھی لاانتہا و لامحدود ہیں۔ مگر پھر بھی انسان کی اندرونی مادی تمامیت و خصوصیت کیا ہے؟ وہ تو سورج چاند اور ستاروں سے بھی بلند تر۔ اور اس نظر آنے والی مادی دنیا سے بھی بہت زیادہ رفیع الشان ہے۔ وہ ہماری اس حباب آسا زندگی سے بہت ارفع و اعلےٰ ہے۔ اس کی طرف بھی تو توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

مشرق و مغرب کی جداگانہ عظمت

ویسے ہی مشرق بھی اس میدان میں مغرب کی نسبت ہمیشہ کوسوں ہی نہیں بلکہ منزلوں آگے رہا ہے۔ جیسے کہ مغرب مادی میدان میں مشرق سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔ اس لئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالم روحانیت میں جو انقلاب رونما ہو۔ اس کا آغاز و ابتدا بھی مشرق سے ہی ہو۔ مشرق جب مشین سائنس وغیرہ کی تعلیم حاصل کرنا چاہے۔ تو مغرب کے سامنے ہی زانوئے ادب تہ کرے۔ نیز مغرب جب کبھی جیو، آتما، پرماتما، اور دنیا کے روحانیات کے رازہائے نہفتہ سے واقفیت حاصل کرنے کا خواہاں ہو۔ تو وہ مشرق کے دست اقدس پر بیعت لے۔ اور اسے ہی اپنا گورو اور مرشد تسلیم کر کے اس سے دیکشا

سا حاصل کرے ؟

بھارت ورش کیا ہے ؟

چنانچہ میں آج آپ کے سامنے ایک ایسے مہاپرش کے سوانح حیات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس نے بھارت میں ایک ایسی ہی زبردست تحریک کو جنم دیا ہے۔ لیکن اس سے بھی پہلے میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ ہندوستان یا بھارت ورش کیا ہے ؟ اور اس کی عظمت و بزرگی کا راز کیا ہے ؟

جن لوگوں کی آنکھوں میں مادی اشیا کی چمک دمک نے ایک چکا چوند سی پیدا کر دی ہے۔ جنہوں نے "کھاؤ۔ پیو اور موج کرو" کے نصب العین کی قربان گاہ پر ہی اپنی زندگی کو نثار کر دیا ہے۔ اور زر و زمین ہی جن کا سب سے بڑھ چڑھ کر مطلوب و معشوق ہے۔ نہیں! نہیں!! بلکہ پیسہ ہی جن کا معبود اور خدا ہے۔ جو لذات نفسانی کی سیری میں ہی اپنا حقیقی سکھ اور بہتری مانے بیٹھے ہیں۔ اور تا دم مرگ شہوانی و حیوانی زندگی بسر کرنا ہی جن کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ نیز جو اپنی خواہشات نفسانی کے غلام بنے ہوئے شب و روز عیش و عشرت کے سامان سے گھرے رہتے ہیں۔ اور ان کے آگے یا ان سے اونچے کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور نہ کچھ سوچ سمجھ ہی سکتے ہیں۔ وہ جب ہندوستان پہنچتے ہیں۔ تو کیا دیکھتے ہیں ؟

افلاس! کنگالی! فاقہ مستی! بیکسی! بیچارگی کا اندھیرا! خوفناک اندھیرا!!
جہالت! توہم پرستی! کورانہ عقیدتمندی! بے عقلی اور لاعلمی کی
تاریکی! گھٹا ٹوپ عالمگیر تاریکی!!

کیوں؟ کس لیئے؟ اس لیئے کہ علم اور گیان کے معنی ان کی مادہ پرست نظروں میں صرف یہ ہیں۔ کہ اچھی فیشن ایبل پوشاک ہو اور سوٹ۔ بوٹ۔ کالر۔ نکٹائی وغیرہ وغیرہ زیب تن ہو۔

ہندوستان کی خاص خصوصیت

مغربی تعلیم ہو۔ اور کاروباری تہذیب ہو۔ اس پہلو میں ترقی و عروج حاصل کرنے کی کوششوں میں مغربی اقوام نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن ہندوستان نے کبھی اس طرف اتنی توجہ نہیں دی۔ بنی نوع انسان کی تاریخ میں۔ اگر کسی قوم نے اپنی حدود سے باہر قدم رکھ کر صفحہ عالم کی دیگر اقوام اور ان کے ممالک کو فتح کرنے کی کبھی خواہش نہیں کی تو وہ صرف ہندو قوم ہی ہے۔ اسکے سوا اور کوئی نہیں۔

دنیا بھر کی تمام قوموں میں صرف ہندوستانیوں نے ہی غیر اقوام کا مال و دولت ہڑپ کر جانے کی نیت کبھی نہیں کی۔ ان کا قصور ہمیشہ یہی رہا ہے۔ کہ ان کا ملک زرخیز ہے۔ اور ان کی عقل و فہم بہت تیز جس سے وہ اپنے ہاتھوں اور اپنے پسینوں کی گاڑھی کمائی سے بیحد و حساب دھن

دولت جمع کر لیتے ہیں ۔ اُسے دیکھ کر ہمیشہ غیر اقوام کے منہ میں پانی بھر آتا ہے اور جب کبھی ان کا موقع لگتا ہے ۔ وہ انہیں لوٹ مار کر اپنا گھر بھر لیتے ہیں ۔ مگر اس طرح اپنا دھن مال دیکھ اور روحشی کھلا کر بھی ہندوستانی ہمیشہ صابر و شاکر اور قانع ہی بنے رہتے ہیں ۔ بلکہ ان تمام مظالم کے عوض وہ دنیا کو افضل و بہتر اور ہر جا حاضر و ناظر پیارتما کا جمال جہاں آرا دکھلانے کے ہی خواہاں اور کوشاں ہیں ۔ اور جس پردے کے پیچھے حقیقی انسان پوشیدہ ہے ۔ اسے ہمیشہ تباہ کر ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں +

اس خصوصیت کا راز

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے ۔ کہ وہ اس خواب کا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہیں ۔ اور انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے ۔ کہ اس مادہ پرستی کے پیچھے انسان کی وہ لافانی ولازوال جنتی خصلت پوشیدہ ہے جسے گناہ و عصیاں کا کوئی بھی خیال یا خواہش کسی طرح ملوث و ناپاک نہیں کر سکتا ۔ جسے نہ آگ جلا سکتی ہے نہ پانی ترکر سکتا ہے نہ گرمی خشک کر سکتی ہے ۔ موت بھی اسکے سامنے عاجز ہے اور اسے کسی طرح مار نہیں سکتی ۔ اُن کی نظروں میں انسان کی یہ آتمی خصلت ویسی ہی حقیقی اور پرانی صداقت ہے ۔ جیسی کہ کسی مغربی ملک کے کسی باشندے کیلئے اس کی تبدرق ! یا کوئی اور مادی شئے !

ہندوستانی بھی قربانی کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں

یہی وجہ ہے کہ جس طرح تم "ہُرّے۔ ہُرّے" کرتے ہوئے توپوں کے منہ میں
کود سکتے ہو۔ اپنے وطن اور قوم کے لئے مردانہ وار بہادری وجان نثاری سے
اپنی جانیں قربان کر سکتے ہو۔ اسی طرح ہم بھی پرماتما اور دھرم کے نام پر ہر طرح
کی ہمت وجرات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ جو انسان یہ کہتا ہے۔ کہ یہ دنیا محض
خواب وخیال ہے۔ اور وہم وگمان سے بڑھ کر کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ
یہ ثابت کرنے کیلئے کہ اس کا یہ عقیدہ کیسا پختہ وراسخ ہے۔ کمال دلیری اور
بہادری سے اپنا سب مال ودولت حتیٰ کہ کپڑے لتّے اور لباس وپوشاک
تک بھی غربا میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اور ایک لنگوٹی باندھ لیتا ہے۔ جو شخص
اپنے آپ کو اجرامِ قضا وفنا کی دست برد سے بالاتر خیال کرتا ہے۔ وہ
کمال ہمت وجرأت سے اپنے تن خاکی کو ایک پرکاہ کی مانند۔ لہریں مارتی ہوئی
اور اٹھکیلیاں کرتی ہوئی ندی کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ اور اس دنیا نیز اس کی
تمام نعمتوں کو ویسے ہی جانبازانہ ومردانہ طور پر ترک کر دیتا ہے۔ جیسے کہ تم
گھاس کے تنکے کو دودھ سے باہر نکال کر پھینک دیتے ہو۔ اپنی اس ہمت اور
استقلال کے باعث تن وہ ملک الموت کا ایک سگے بھائی کی مانند خیر مقدم
کر کے اسے اپنی چھاتی سے لپٹا سکتا ہے۔ کیونکہ اسے یہ اچھی طرح معلوم ہے
کہ وہ ہلاکت اور موت کے حملوں سے بالاتر ہے۔ اسی دلیری وجرات سے

ہندوستانیوں کو صدیوں کے پیہم و مسلسل غیر ملکی حملوں اور ناگفتہ بہ مظالم کے مقابلے میں غیر مفتوح اور ناقابل تسخیر بنائے رکھا ہے اسی لیے وہ قوم آج بھی صفحۂ ہستی پر زندہ ہے۔

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
باقی مگر یہاں ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
دشمن ہے صدیوں سے گو آسماں ہمارا

ہندوستانیوں کی قربانیوں کے نتائج

یہ ان باعث ہے کہ آج بھی۔ اس غیر ملکی غلامی و زبوں حالی کے باوجود بھی ہر طرح کی مصیبتوں اور آفتوں سے گھرے ہوئے بھی ہم ایسے مہا پرش آئے دن پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جو اپنی روحانیت کے نقطۂ خیال سے بام ترقی و عروج کے بلند ترین چوٹیوں پہ آفتاب عالم کی مانند جلوہ افگن ہیں۔

مغرب کو جیسا فخر اس امر پہ ہے۔ کہ اس نے مادی علوم و فنون کے بہترین ماہر اور سیاسیات کے قابل ترین رہنما پیدا کئے ہیں۔ ویسے ہی مشرق کو بھی یہ ناز ہے۔ کہ وہ ہمیشہ سے روحانی دنیا کے برگزیدہ ترین و مقدس ترین رہبروں کا گہوارہ بنا رہا ہے اور اسکے راجاؤں مہاراجاؤں تک نے تخت و تاج کو ٹھکرا کر فقر و درویشی کی آغوش میں عافیت پائی ہے اور حیات ابدی حاصل کی ہے۔

مشرق پر مغربی تہذیب کا حملہ

اب بھی اس موجودہ صدی کے آغاز میں بھی ۔ جبکہ ہندوستانی امواج تخیل پر مغربی خیالات کی لہروں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا ۔ جب فتحیاب سورما ہاتھوں میں خنجر اور تلواریں لئے رشیوں کے نام لیواؤں اور پاپی دیوتاؤں کو دھمکا دھمکا کر یہ کہہ رہے تھے ۔ کہ تم جنگلی اور وحشی لوگ ابھی تک محض خواب و خیال میں مست رہے ہو ۔ تمہاری مذہبی کتب خلاف قیاس کہانیوں اور روایتوں کے ایک طومار کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۔ آتما اور پرماتما کو جاننے اور پہچاننے کے لئے اگرچہ تم صدیوں سے کوششیں کر رہے ۔ مگر تمہیں سوائے بے شمار بے معنی الفاظ و تفکرات کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا ۔ تمہارے روحانی جنگ بے بدل اور لاثانی و بے مثال ترک و قربانی ۔ جو بے شمار صدیوں سے جاری ہیں ۔ سبھی فضول و رائیگاں ثابت ہوئی ہیں ۔ تب

ان حملہ آوروں کی یہ سب باتیں سن سن کر ہمارے سکولوں اور کالجوں میں بھی خوب دھواں دھار بحث و مباحثے شروع ہو گئے ۔ اور ہمارے نوجوانوں کو یہ خیالات سب و روز پریشان کرنے لگے ۔ کہ کیا در حقیقت آج تک ہماری تمام مذہبی قومی زندگی یوں ہی بے سود و بے کار گئی ہے ؟ کیا سچ مچ ہم اپنی بے شمار دھرم پستکوں کو نذر آتش کر دیں ؟ کیا ہم اپنے ایشورا نوبھو اور درشنوں کو گنگا برد کر دیں ؟ کیا اپنے دھرم پرچارکوں اور اپدیشکوں کو

مار بھگائیں۔ مندروں نیز عبادت گاہوں کو گرا دیں۔ اور اپنی قومی زندگی کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیں؟

مغربی حملے کا اثر

مغربی فاتحوں نے جو بندوقوں اور توپوں تلواروں اور کرچوں کی زیر حمایت اپنے نصب العین کا پرچار کر رہے تھے۔ بہ آواز بلند چلا چلا کر اور حلق پھاڑ پھاڑ کر یہ اعلان کیا۔ کہ تمہارے قدیم گرنتھ کورانہ خوش اعتقادی اور جاہلانہ بت پرستی سے پر ہیں۔ نئے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے بچے اور نوجوان۔ جنہوں نے طفولیت سے ہی مغربی خیالات کی گود میں پرورش پا کر اُن کی تعلیم کو شیر مادر کی مانند اپنے رگ و ریشے میں جذب کیا تھا۔ اس نئی تعلیم اور ان نئے خیالات کے گرویدہ ہو گئے۔ اور انہیں کے مطابق عملدرآمد کرنے لگے۔ ایسی حالت میں اگر ہر طرف بے چینی و بے اطمینانی پھیل گئی۔ تو تعجب بھی کیا ہے؟

مگر اس وقت اپنے بزرگوں کی قدیم تعلیم پر کورانہ خوش اعتقادی ترک کر کے نئے خیالات و تعلیم کی جانچ پڑتال اور چھان بین کرنے۔ نیز نئے اور پرانے خیالات کا مقابلہ کرنے اور انہیں علم و عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی بجائے۔ حقیقت و صداقت کی کسوٹی یہ قرار پائی کہ "فلاں عقیدہ ہمارے مذہب کے متعلق علمائے مغرب کی کیا رائے ہے"۔ گویا اپنے بزرگوں کی تعلیم و دانائی نادیدہ مذکوں پر اعتقاد و اعتماد کی بجائے اغیار و بیگانوں پر اعتماد

کی مانند اعتماد کیا جانے لگا۔ اور ہر سوال کے بارے میں ان کی سند سب سے بڑھ کر معتبر اور قابل پذیرائی مانی جانے لگی۔ ہر کس و ناکس کی زبان سے یہی نکلنے لگا۔ کہ برہمنوں کو مار بھگاؤ۔ ویدوں کو جلا ڈالو کیوں؟ اس لئے کہ مغرب کا یہ فتویٰ ہے مغربی علما کا یہ خیال ہے۔ کہ ان کی تعلیم غلط۔ اور بنی نوع انسان کے لئے ناقابل عمل و نقصان دہ ہے۔ اس دماغی بے چینی اور پریشانی نے ملک میں اصلاح کی ایک نئی اور زبردست لہر پیدا کر دی۔

حقیقی اصلاح کیلئے بنیادی سوالات

لیکن اگر آپ درحقیقت سچے مصلح۔ ریفارمر اور سدھارک ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو مندرجہ ذیل سوالات شب و روز اپنے پیش نظر رکھنے پڑیں گے:۔
کیا آپ کو اپنے ملک و قوم سے سچی محبت اور دلی ہمدردی ہے؟ کیا آپ سچ مچ اپنے بھائیوں کے دکھ سے دکھی اور ان کی تکالیف و مصائب سے مضطرب و بیقرار ہیں؟ کیا درحقیقت آپ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ یہ دنیا دکھ اور مصیبت۔ جہالت اور لاعلمی کو رانہ عقیدہ مندی اور خوش اعتقادی سے پر ہے؟ کیا اس خیال نے آپ کے دل و دماغ پر نہایت زبردست قابو حاصل کر لیا ہے؟ کیا یہ خیال خون کے ساتھ آپ کے جسم کے رگ و ریشے میں پھیل گیا ہے؟ کیا اپنے ہم وطنوں کی مصیبتوں اور اذیتوں سے متاثر ہو کر آپ کا دل ہمیشہ بیقرار و بے چین رہتا ہے۔ اگر دراصل آپ کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ اور مندرجہ

بالا تمام سوالات کا جواب مثبت میں ملتا ہے تو یہ سمجھ لیجئے - کہ آپ سیڑھی
کے پہلے ڈنڈے پر چڑھ چکے ہیں ۔

بعد ازاں آپ ذرا یہ سوچیں - اور دیکھیں کہ اپنے ہم وطنوں کو ان کی مصیبتوں
سے نجات دلانے کا آپ نے کوئی حقیقی راستہ بھی تلاش کر لیا ہے یا نہیں؟
قدیم خیالات خواہ کورانہ خوش اعتقادی پر ہی کیوں نہ مبنی ہوں - ان کی کالی گھٹاؤں
کے پس پردہ ہی حقیقت اور علم کے آفتاب عالمتاب کی زریں کرنیں تاباں و
درخشاں ہیں - کیا آپ کو ان گھٹاؤں اور تاریک بادلوں کے پیچھے ان سنہری
چمکیلی کرنوں کے درشن بھی حاصل ہو چکے ہیں؟ اگر خوش قسمتی سے آپ کو یہ
سعادت نصیب ہے - تو یقین رکھیں کہ آپ اس زینے کی دوسری
سیڑھی پر بھی چڑھ گئے ہیں -

اب صرف ایک اور بات کی کسر ہے - وہ یہ کہ آپ کا دلی منشا و مقصد
کیا ہے؟ کہیں دولت، شہرت، نیک نامی یا رسوخ کی زبردست خواہش
نے تو آپ کو اس میدان میں قدم بڑھانے کے لئے آمادہ نہیں کیا؟ کیا آپ
کو یہ یقین کامل ہے - کہ آپ اپنے مقرر کردہ نصب العین پر ہمیشہ کمر ہمت مضبوط
باندھ کر مردانہ وار ڈٹے رہیں گے؟ خواہ دنیا آپ کو ٹھکرا دے یا ٹکڑے کر دے مجال ہے
آپ اپنے نصب العین سے تو ایک قدم ادھر ادھر ہٹ جائیں گے؟ کیا
آپ کو اپنا نصب العین صاف صاف نظر آ رہا ہے؟ اور بے شک اس انتہائی پیارے
فرض کی انجام دہی کے لئے اپنی جان عزیز تک کو قربان کرنے کی ہمت
و قدرت کیا آپ میں موجود ہے؟ کیا جب تک آپ کے تن میں جان ہے

جسم کے ایک ایک رگ و ریشے میں رچ بس نہ جائے تاکہ [illegible] تب
تک آپ برابر اپنے کام میں مصروف و مشغول رہ سکینگے ۔ اگر آپ میں یہ سب
قابلیتیں موجود ہیں ۔ اگر آپ کے دل میں اتنی ہمت و جرات ۔ استقلال و بلند
حوصلگی ہے ۔ تو آپ یقینی طور پر اپدیشک ۔ پرچارک ۔ اور سُدھارک ہیں ۔ اور
عوام کی رہبری اور رہنمائی کرکے انہیں نیکی اور پاکیزگی ۔ بہتری اور بہبودی کے
راستے پر بڑھائے لئے چلے جائینگے ۔ ورنہ پہلے اپنے اندر یہ تمام صفات پیدا
کر لیجئے ۔ پھر اس میدان پُرخار میں قدم بڑھائیے ۔ ورنہ آپ کو قدم قدم پر ناکامیوں
اور ناکامیابیوں نیز لالچ و تحریص کا سامنا ہوگا ۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ آپ ان
کے مقابلے میں پست ہو جائیں ۔ دیکھئے انسان کتنا بے صبر ۔ مضطرب ۔ کوتاہ
اندیش ۔ اور غیر مستقل مزاج ہے ۔ و تاخیر اس کے لئے کتنی ناقابل برداشت
ہے ۔ مستقبل اس کی نگاہوں سے کیسا پوشیدہ ہے ۔ کیوں ؟ محض
اس لئے کہ وہ کام کر کے ۔ اپنے کام کا نتیجہ دیکھنے ۔ اور اس کا پھل کھانے
کیلئے بہت جلد بے قرار ہو جاتا ہے ۔ اُسے شاید کسی کے ساتھ بھی بغیر غرضانہ
ہمدردی نہیں ۔ اور اُس کا نصب العین یہ نہیں ہے کہ کام محض کام کی
غرض سے کیا جائے ۔ اور اُس کے پھل یا ثمر کی خواہش سے اپنے دل کو
بالکل بے لوث رکھا جائے ۔ بھگوان کرشن چندر جی نے بھی ویر ارجن کو
یہی اپدیش دیا تھا کہ

کام کرنے کا تجھے حق ہے مگر پھل کا نہیں ؛
اس لئے دل میں نہ لا پھل کی تمنا زینہار

آپ کا فرض کام کرتے رہنا ہے۔ اس کے انجام اور پھل کی خواہش کو اپنے دل میں کیوں جگہ دیتے ہیں۔ صرف کام کیجیے۔ اور کام کے انجام و نتائج کو اپنی فکر آپ کرنے دیجیے۔ لیکن ہمارے کمزور انسان میں اتنی طاقت برداشت کہاں؟ لیڈر اور رہنما بننے کی خواہش میں وہ ہر ایک راستے پر سر کے بل دوڑنے لگتا ہے۔ اسی لئے مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دنیا میں زیادہ تر لیڈر اس قسم کے دکھائی دیتے ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اس اصلاح کی تحریک کا جنم اس وقت ہوا جبکہ مادہ پرستی کی لہریں ہندوستانی ساحلوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمارے سبھی آریہ سدھانتوں اور آدرشوں کو بہا لے جائیں گی لیکن اس دیوتاؤں کی سرزمین کے ساحلوں پر نہ جانے ایسی کتنی لہریں ٹکرا ٹکرا کر مر چکی ہیں۔ ان کے مقابلے میں یہ لہریں تو بہت ہلکی تھیں۔ صدیوں تک تند طوفانوں اور لہروں نے آ آ کر ہمارے ملک کو الٹ پلٹ کر دیا۔ جو بھی ان کے سامنے آیا۔ وہی بہہ گیا۔ یا تباہ و برباد ہو گیا۔ اسلام کی تلوار وہاں چمک چکی ہے۔ "دین دین" "اللہ اللہ" کی آوازوں نے زمین اور آسمان کو ہلا دیا۔ مگر پھر بھی یہ سب طوفان ٹھنڈے ہو گئے۔ اور ہمارے ملک و قوم کا نصب العین جوں کے توں قائم ہے۔

یقین رکھیے کہ ہمارا مذہب کبھی تباہ و برباد نہیں ہو سکتا۔ آج بھی وہ امر کھڑی رہے گی۔ جب تک کہ ہندوستانی اپنے آریہ آدرشوں کو ترک نہ کر دینگے جب تک کہ وہ اپنی روحانیت کو نہ چھوڑیں گے۔ وہ خواہ کتنے بھی مفلس و نادار اور بیکس و بیچارہ کیوں نہ ہو جائیں۔ اپنے پرماتما کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اور ہرگز

نہ بھولیں گے۔ کہ وہ قدیم رشی منیوں کی اولاد ہیں ٭

جیسے کہ مغربی ممالک میں ایک کنگال سے کنگال اور مفلس سے مفلس شخص بھی اپنا شجرہ نسب تیرھویں صدی کے کسی نوابو سردار سے ملانے کی تگ میں غلطان و پیچاں رہتا ہے۔ اور اسی میں اپنی شان ریاست سمجھتا ہے۔ ویسے ہی ہندوستان میں ایک معمولی کسان سے لیکر والئے تخت و تاج تک خواہ وہ چکرورتی مہاراجہ اور شہنشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ اپنی تمام عظمت و بزرگی کا انحصار اسی امر پہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنا شجرہ مریدی کسی ایسے لنگوٹ بند سنیاسی بھکھاری اور رشی سے ملائے جس نے جنگلوں میں درختوں کے پتے اور چھال پہن کر نیز کند مول (خودرو شیریں جڑیں) پھل کھا کر اپنی گرانبہا زندگی کا ایک بڑا حصہ بسر کیا ہو۔ اور اس عرصہ دراز میں مالک کون و مکان کی لامحیط قدرت کے حسن جہاں افروز کا اپنی حقیقت بین آنکھوں سے نظارہ کیا ہو۔ ایسے ہی برگزیدہ مہاپرشوں سے اپنا سلسلہ وراثت قائم کرنا ہر ایک بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ہندوستانی کے لئے باعث صد ناز و ہزار فخر ہے۔ اور آپ یقین رکھئے کہ جب تک ہندوستان میں پاکیزگی اعمال و افعال کو یہ اعلےٰ و افضل مرتبہ حاصل ہے۔ تب تک اسکی بزرگی و تقدیس کا ڈنکا بھی چار دانگ عالم میں بجتا رہیگا ٭

سوامی رام کرشن پرم ہنس اور اُن کا جنم!

اسی زمانے میں جب ہندوستان میں طرح طرح کی اصلاحات اُبھر

شدھار کی تحریکوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ بنگال کے ایک دور دراز گاؤں میں ۲۰، فروری ۱۸۳۶ء کو دنیاوی مال و دولت کے نقطہ خیال سے ایک بالکل مفلس اور کنگال برہمن اور برہمنی کے گھر میں ایک زندہ جاوید لڑکے کا جنم ہوا۔ اس کے ماں اور باپ دونوں ہی راسخ الخیال اور کٹر برہمن تھے۔ آپ کو شاید یہ معلوم ہوگا۔ کہ ایک کٹر برہمن کی زندگی حقیقتاً اور صحیح معنی میں ترک اور قربانی کی زندگی ہوتی ہے۔ اس کیلئے دنیا میں بہت ہی کم پیشوں کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اور محض دولت و ثروت کمانے کی غرض سے تو وہ کوئی بھی کام یا پیشہ اختیار نہیں کر سکتا۔ ساتھ ہی اس کے اسے دوسروں سے کچھ خیرات حاصل کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ تاوقتیکہ وہ اس کے معاوضے میں کسی طرح ان کی بہتری و بہبودی کا کوئی کام سرانجام نہ دے سکے۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ ایسے کٹر برہمنوں کی زندگی کیسی مشقت و ریاضت کی زندگی ہوتی ہوگی۔ آپ نے برہمنوں کے متعلق مختلف باتیں سنی ہونگی۔ لیکن کبھی اپنے دل میں یہ نہ سوچا ہوگا۔ کہ بھلا ایسی وہ کیا بات ہے۔ جس سے اس قوم نے دوسری تمام قوموں اور جماعتوں پر یہ فوقیت و بزرگی حاصل کر رکھی ہے؟

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ملک بھر کی تمام ذاتوں میں بحیثیت مجموعی یہ ذات سب سے زیادہ غریب و نادار ہے۔ برہمنوں کے اس وسیع رسوخ و اثر کا راز صرف ان کے ترک و قربانی میں ہی مضمر ہے۔ وہ دولت و ثروت کی کبھی خواہش نہیں کرتے۔ دنیا میں جتنے بھی ایسے مذہبی

فرقے ہیں۔ جن میں مذہبی مرشدوں۔ پیروں اور دھرم گوروؤں کو کسی عزت و وقعت
کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ان سب میں ہندوستان کے برہمن سب سے
زیادہ مفلس و مفلوک ملیں گے۔ لیکن اس ناداری و ہلاکت کی حالت میں بھی ایک
سچی برہمنی یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ کوئی غریب پردیسی اس کے دروازے
پر آکر بغیر کچھ کھائے پیئے ہی چلا جائے۔ ہندوستان میں ایک ہندوستانی
ماں کا یہ سب سے افضل و بہترین فرض خیال کیا جاتا ہے۔ ایک ہندوستانی
ماں گھر بھر میں سب کو بھرپیٹ کھلا پلا کر سب سے پیچھے بچا کھچا کھانا کھاتے میں ہی
اپنی عظمت و بزرگی خیال کرتی ہے۔ اسی لیئے ہندوستانی گھروں میں ماں کا
درجہ ایشور کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کا ویسا ہی عزت و احترام کیا جاتا
ہے۔ موجودہ نسل کے ہندوستانی بچوں کی ماؤں کا بلند ترین نصب العین
یہی ہے۔ وہ جتنا بھی اپنے اس نصب العین کے قریب پہنچتی جاتی ہیں۔
اتنا ہی ان کی عزت و مرتبہ بڑھتا جاتا ہے۔ اور اتنے ہی سخت سے سخت
قواعد کی پابندی ان پر لازمی ہوتی جاتی ہے ٭

ادنےٰ ذاتوں اور فرقوں والے تو جو کچھ چاہیں کھا پی سکتے ہیں۔ لیکن
جیسے جیسے آپ ہندوستان کے مجلسی مدارج میں اوپر چڑھتے چلے جائیں
ان کے بود و باش۔ طریق و اطوار۔ اور کھانے پینے کے متعلق پابندیاں بھی
ویسی ہی ویسی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اور برہمنوں کی ذات میں پہنچ کر تو ان کی
حد ہی ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ یہ دھرم گورو ہی ہندوستانیوں کی گتھ ہیں۔
اسی لیئے برہمن اور گئو کی عزت و حفاظت کو یکساں اہمیت دی جاتی ہے۔

اور ایک یہ ہے برہمن کی زندگی وبسر اوقات کے ضوابط و قواعد اتنے سخت اور زبردست ہیں۔ کہ ان کا حلقۂ زندگی نہایت ہی تنگ و محدود ہو جاتا ہے۔

مغربی ممالک کے طریق زندگی اور خورد و نوش کے مقابلے میں ہندوستانی برہمنوں کی زندگی نہایت ہی سخت ریاضت اور تپسیا کی زندگی کہی جا سکتی ہے۔ لیکن وہ نہایت مستقل مزاج اور اپنے عہد و عقائد میں بیحد استوار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں بھی اگر سب سے نامعلوم اور پوشیدہ طور پر کوئی عہد کر لیتے ہیں تو اسے آخری حد امکان تک نبھاتے ہیں۔ اور کبھی کسی کمزوری کے قابو میں آ کر بیچ میں ہی نہیں چھوڑ بیٹھتے۔ بلکہ پشت در پشت اسی خیال کو جاتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح نسل در نسل اپنے اغراض و مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش میں مصروف و منہمک رہتے ہیں ؎

اس طرح کٹر ہندوؤں کی زندگی۔ محدود جگہ کی گوشہ نشینی میں بسر ہوتی ہے۔ ان کے خیالات و جذبات خواہشات و تخیلات صرف ان ہی کی ذات خاص تک محدود رہتے ہیں۔ قدیم مذہبی کتب میں ان کا روزانہ دستور العمل۔ نہایت معمولی سے معمولی بات کو بھی مد نظر رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے ان میں سے ہر قاعدے اور اس کی ہر حد کو نہایت مضبوط دل۔ پختہ ارادے اور قوی ہاتھوں سے پکڑ رکھا ہے۔ انہیں بھوکھوں مر جانا منظور ہوگا۔ لیکن کسی غیر ذات کے شخص کا چھو کا یا ہوا کھانا ہرگز منظور نہ ہوگا۔ ان کے دلوں میں نہایت سچی لگن اور عقیدے میں بیحد پختگی و مضبوطی ہے ؎

کٹر ہندوؤں کی زندگی بے مثال اعتقاد و اعتماد اور لاثانی عقیدتمندی و فرائض پرستی کی زندگی ہے۔ اپنی اس گہری عقیدت کی بدولت ہی تو وایسے ہو سکے ہیں۔ ہم سب لوگوں کی نگاہوں میں ان کا اختیار کردہ طریق۔ جو محض رضاکارانہ طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ خواہ کیسا ہی جاہلانہ کیوں نہ ہو۔ لیکن ان کے لئے تو وہی صحیح و درست ہے۔ کس کی مجال ہے؟ کس میں طاقت ہے۔ جو انہیں ان کے راستے سے ایک قدم بھی ادھر یا اُدھر کر سکے؟

ہماری مذہبی کتب میں تحریر ہے۔ کہ ایک انسان کے لئے خیرات اور دان کی کوئی بھی حد مقرر نہیں۔ یا بہ الفاظ دیگر ہر شخص کو حد سے بڑھ کر مخیر اور دانی ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص خود فاقہ کشی کر کے کسی اور کو بھوکا مرنے سے بچا لیتا ہے۔ تب بھی وہ اچھا بلکہ مناسب ہی کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر ایک کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ ایک سچے اور پکے برہمن سے یہ امید کی جاتی ہے۔ کہ وہ اس خیال کی اس کی آخری حد تک پیروی کرے۔

جو لوگ ہندوؤں کے علم ادب سے واقف ہیں۔ انہیں میری یہ بات سنکر۔ ایک نہایت ہی دلکش و دلچسپ داستان یاد آجائیگی۔ جو مہابھارت میں درج ہے۔ جس میں ایک فاقہ کش خاندان کے خاندان نے اپنی آخری دن کی خوراک بھی ایک بھکاری کی نذر کر دی۔ اور آپ نہایت صبر و شکر سے اپنی جان شیریں مالک دو جہان کے حوالے کر دی۔ یقین مانیئے کہ اس میں کسی طرح سے بھی کوئی مبالغہ آرائی نہیں۔ کیونکہ ہمارے ہندوستان میں اب بھی اس خیال کے پیرو موجود ہیں۔ اور وہاں اب بھی ایسے واقعات ہوتے ہی

رہتے ہیں ؞

میرے گورو دیو کے والدین کا طریق زندگی بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ وہ بہت ہی فلاکت زدہ تھے۔ مگر پھر بھی توکل و قناعت کی دولت سے مالا مال۔ باوجود اس افلاس و تنگ دستی کے ان کی پوجیہ ماتا جی اکثر اپنا بھوجن کسی بھوکے بھکاری کو کھلا کر خود ایک ہی چلو پانی پی کر دن گذار دیا کرتی تھیں۔ ایسے ماں باپ کے گھر اس لڑکے نے جنم لیا۔ اور وہ خود بھی ایک نہایت عجیب و غریب بالک ثابت ہوا ؞

گذشتہ جنم کی یاد

اسے اپنے روز پیدائش سے ہی گذشتہ جنم کی یاد برقرار تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ وہ اس جہان فانی میں کیوں آیا ہے؟ چنانچہ اپنے اسی پاک و مقدس مقصد کی تکمیل میں اس نے اپنی تمام لیاقت و قوت صرف کر دی۔ ابھی وہ بچہ ہی تھا۔ کہ سایہ پدری اس کے سر سے اٹھ گیا۔ جب کچھ ہوش سنبھالا۔ تو پڑھنے لکھنے کے لئے پاٹھ شالا میں بٹھایا گیا۔ برہمن کے لڑکے کیلئے پڑھنا لکھنا نہایت ضروری بلکہ لازمی ہے۔ کیونکہ اپنی ذات پات کے قوانین و قواعد کے رو سے وہ صرف ایسے ہی پیشے اختیار کر سکتا ہے۔ جن کا پڑھنے اور پڑھانے سے نہایت گہرا تعلق ہے ؞

ہندوستان کا قدیم طریق تعلیم جو آج بھی مختلف مقامات میں اور

بالخصوص سنیاسیوں میں جاری ہے۔ موجودہ طریق تعلیم سے بالکل علیحدہ ہے۔ اس کے مطابق طلبا کو اپنی پڑھائی کے لئے کچھ بھی فیس نہیں دینی پڑتی علم اتنا مقدس سمجھا جاتا ہے۔ کہ قیمت لے کر اسے فروخت کرنا ایک نہایت ہی قابل مذمت فعل شمار کیا جاتا ہے۔ ایک عرصہ قدیم سے ہمارے بزرگوں کا یہ عقیدہ چلا آیا ہے۔ کہ تعلیم ہمیشہ بغیر کسی معاوضے کے اور بے روک ٹوک دی جانی چاہیئے۔ زمانہ قدیم کے استاد اور گورو اپنے شاگردوں اور چیلوں کو صرف تعلیم ہی مفت نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ان کی خوراک پوشاک کا بھی مناسب انتظام کیا کرتے تھے۔ ان معلموں اور ان کے شاگردوں کی پرورش اور گوناگوں اخراجات کے لئے ذی ثروت نمانہ دار اور باحیثیت گرہستی شادی بیاہ اور دیگر غمی و مسرت وغیرہ کے موقعوں پر انہیں امداد دیتے رہا کرتے تھے۔ اور اس طرح ان سب کی بافراغت بسر اوقات ہو جاتی تھی۔

ابتدائی تعلیم و تدریس

اس بالک کا بڑا بھائی ایک اچھا عالم فاضل معلم تھا۔ چنانچہ اسی کے پاس اسے تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بٹھایا گیا۔ لیکن ایک نہایت ہی محدود سے عرصہ تک تعلیم پانے کے بعد اس کم عمر نوجوان کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ تمام دنیاوی علوم اور ان کی تعلیم کا نقطہ نظر مادی اور دنیاوی ترقی

کی طرف ہے۔ اس لئے اس نے جلد ہی اس تعلیم سے مستعفی ہو کر دولت روحانی کی تلاش کا فیصلہ کر دیا ؛

رُوحانیت کی تلاش و جُستجو

والدین گواد کی پیش از وقت موت سے یہ خاندان اور بھی مفلوک الحال ہو گیا تھا۔ اس لئے اس لڑکے کو اپنی بسر اوقات کا انتظام بھی خود ہی کرنا پڑا چنانچہ وہ "کلکتے" کے قریب ہی ایک جگہ ایک مندر کا پوجاری بن گیا۔ برہمن کے لئے پوجاری کا کام کچھ بہت قابل عزت نہیں سمجھا جاتا۔ ہمارے مندر آپکے گرجا گھروں کی مانند نہیں۔ عوام وہاں پوجا کے لئے نہیں آتے۔ کیونکہ ہندوؤں میں اکٹھے ہو کر پوجا کرنے کا طریق رائج نہیں۔ ذی ثروت اصحاب مندر تعمیر کرانے کو صرف ایک دھرم کا کام سمجھتے ہیں۔ اس لئے مندر بنوا دیتے ہیں۔ جب کسی کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہوتا ہے۔ تو وہ ایک مندر بنوا کر اس میں کسی اوتار یا دیوتا کی مورتی رکھوا دیتا ہے۔ اور اسے ایشور پوجا کے نام پر اپنی (معنون) کر دیتا ہے۔ یہ پوجا بہت کچھ آپ کے رومن کیتھولک گرجاؤں کے ڈھنگ کی ہوتی ہے۔ مثلاً کسی دھرم پستک سے کچھ پاٹھ یا کتھا کر دی جاتی ہے۔ اور ہر روز دیوتا کی آرتی اتاری جاتی ہے۔ اس مورتی کی عزت ویسی ہی کی جاتی ہے جیسی کہ کسی قابل تعظیم بزرگ کی ہوتی ہے۔ جو لوگ ہر روز بلا ناغہ مندروں میں جاتے ہیں۔ وہ نہ جانے والوں کی نسبت

کچھ بہت زیادہ قابل عزت نہیں سمجھے جاتے ۔ بلکہ درحقیقت مندر نہ جانے والے ہی زیادہ دھرماتما خیال کئے جاتے ہیں ۔ کیونکہ ہندوستان میں ہر شخص کیلئے دھرم اور پوجا پاٹھ اپنا ذاتی شغل سمجھا جاتا ہے ۔ اور ہر شخص اپنی مرضی ومنشا کے مطابق ہی ایشور کی پوجا اور اپاسنا اپنے گھر میں تنہا بیٹھ کر کرتا ہے ۔

زمانہ قدیم سے ہمارے ملک میں پوجاری کا پیشہ کچھ بہت قابل عزت نہیں سمجھا جاتا ۔ اس خیال کے پس پشت یہ راز ہے ۔ کہ جیسے پیسے لے کر کسی کو کچھ تعلیم دینا ۔ یا پڑھانا لکھانا بہت قابل تعریف نہیں ۔ ویسے ہی پیسے وصول کر کے کسی سے پوجا پاٹھ کرانا بھی دھرم کو فروخت کرنے کے ہی برابر ہے ۔ اس لئے یہ ودیا فروخت کرنے سے بھی زیادہ گرا ہوا کام شمار ہوتا ہے ۔ اب آپ خود یہ اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ کہ اس نوجوان کے دل پر اس وقت کیا گذرتی ہوگی ۔ جب وہ یہ محسوس کرتا تھا ۔ کہ اسے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے پوجاری کا پیشہ اختیار کرنا پڑا ہے ۔

بنگال میں ایسے بہت سے شاعر ہو گذرے ہیں ۔ جن کے گیتوں اور بھجنوں نے عوام کے دلوں پر ایک زبردست قابو حاصل کر لیا ہے ۔ یہ گیت کلکتے کی گلیوں میں ہی نہیں ۔ بلکہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں ان کے بنائے ہوئے بھجن ہر خاص و عام کی زبان پر سنے جاتے ہیں جنہیں لوگ بڑے پریم اور بھگتی سے گاتے ہیں ۔ ان میں زیادہ تر بھجن وہ ہوتے ہیں ۔ جن میں پرماتما یا کسی دیوی دیوتا کی بھگتی اور پریم بھرا ہوتا ہے ۔ تقریباً ہر ایک مت اور سمپردائے کے بھجنوں کا یہی حال ہے ۔ سب میں

ہی پرماتما کے لیش اور تعریف و توصیف کے راگ گائے جاتے ہیں - ہندوستان
میں کوئی مذہبی کتاب بھی آپ کو ایسے خیالات سے خالی نہ ہوگی - کہ انسان
کو ایشور کے درشن ایسے صریحی طور پہ ہونے چاہئیں - گویا کہ وہ سامنے ہی
بیٹھا ہے - ہر شخص کو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہیئے - اور اس
سے بات چیت کرنی چاہیئے - بس یہی دھرم ہے ۔

ہندوستان میں ایسے مہاتماؤں کی بے شمار روایات مشہور ہیں
جنہیں پرماتما نے درشن دیئے ہیں - ایسے عقائد پہ ہی بھارت میں دھرم
کی بنیاد قائم ہے - ان کے دھرم گرنتھ اور مذہبی کتب تقریباً ایسے ہی
مہاپرشوں کے تحریر کردہ ہیں - جنہیں روحانی مسائل کا ذاتی تجربہ حاصل
تھا - یہ کتابیں دماغ کے لئے نہیں - بلکہ دل کے لئے لکھی گئی ہیں - انہیں
منطق اور دلیل بازی سے نہیں سمجھ سکتے - کیونکہ یہ ان مہاپرشوں کی تصنیف
کردہ ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا - اور اپنے احساسات سے
محسوس کیا ہے - اس لئے ان جیسا بنے بغیر ہی انہیں کوئی پورا
پورا نہیں سمجھ سکتا ۔

ان کا دعوےٰ ہے - کہ اس زندگی میں ہی ایشور کا عینی دیدار ممکن
ہے - اور مذہب کی ابتدا اس قسم کے عملی افعال و اعمال سے ہی ہوتی
ہے - سبھی مت متانتروں کا یکساں طور پہ یہی اندرونی عقیدہ ہے -
اس لئے ایک ایسا شخص جسے تقریر و تحریر میں پورا ملکہ حاصل ہے - اور
منطق و دلیل میں پوری پوری دسترس ہے - جب ہمارے ان کوئی ایسی

چوڑی تقریر کرنے لگتا ہے۔ تو اس کی بات سننے کے لئے بہت کم لوگ جمع ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے خلاف جب کوئی لنگوٹ بند۔ جس کے پاس کوئی مال و دولت نہیں۔ جو اپنی مادری زبان میں بھی کچھ بہت فصاحت و بلاغت کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتا۔ جب کسی حقیقت و صداقت کا اظہار کرتا ہے۔ تو اس کی زندگی میں ہی اس کے نصف سے زیادہ ہم وطن اسے ایشور کا اوتار سمجھ کر اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ اس کی سیدھی سادھی اور بھولی بھالی باتوں سے ہی انہیں کسی نہ کسی طرح یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ اسے ان باتوں کا ذاتی اور عملی تجربہ ہو چکا ہے۔ دھرم اس کے لئے محض بحث و مباحثہ کی ہی کوئی چیز نہیں۔ بلکہ عمل در آمد کی چیز ہے۔ وہ دھرم۔ پرماتما۔ اور آتما کے امر ہونے وغیرہ وغیرہ مسائل پر۔ صرف اپنی منطق اور قیاس کے بل بوتے پر ہی اندھیرے میں ادھر ادھر نہیں ٹٹولتا۔ بلکہ اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہے اس کی شہرت خوشبو کی مانند ہوا کے ذریعہ ملک بھر میں پھیل جاتی ہے اور ملک کے کونے کونے سے عقیدتمند اس کے درشنوں کے لئے اُڑے چلے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ایشور کے اوتار کی مانند اسکی عزت اور پوجا ہونے لگتی ہے۔

مندر میں ایک (دیجوتی کا) دان دینے والی ماتا کی ایک مورتی تھی۔ وہ لڑکا صبح و شام اس کی پوجا وغیرہ کی خدمات سرانجام دیا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے دل میں بار بار یہ خیال اٹھنے لگا۔ کہ کیا در حقیقت

اس مورتی کے پیچھے کوئی اور طاقت موجود ہے ؟ کیا اس خیال میں کوئی صداقت
ہے ۔ کہ یہ بیخوف کر دینے والی ہے ۔ کیا وہ اپنے چیتن روپ (ذی حس ہستی)
نظامِ عالم کی چال کو قائم کرتی ہے ۔ یا یہ سب کچھ محض خواب وخیال ہی ہے
درحقیقت دھرم کا راز کیا ہے ؟ تقریباً ہر ایک ہندو بچے کی زندگی میں ا
نہ ایک دن وہ وقت آتا ہے ۔ جب کہ ان کے دل میں بار بار اس قسم
وسوسات وسوالات اٹھتے ہیں ۔ ہمارے ملک میں تقریباً ہر ایک
من میں ایک نہ ایک وقت یہ شک وشبہ پیدا ہوتا ہے ۔ کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں
وہ ٹھیک ہے یا نہیں ؟ محض منطق ودلیل سے ہماری کبھی تسلی نہیں ہوتی
اگرچہ آتما اور پرماتما کے متعلق منطق اور دلیل بازی سے جتنے بھی مسائل کا د
ہیں کچھ فیصلہ ہو سکتا ہے ۔ وہ سب ہی کسی نہ کسی صورت میں ہندوستان
اندر موجود ہیں ۔ لیکن یہ دلیل بازی اور مسئلہ بازی ہندوستانیوں کے دلوں
کچھ اطمینان نہیں دے سکتی ۔ کیونکہ وہاں ہزاروں مردوں اور عورتوں
دلوں پر پرماتما کے اس پرتیکش درشن یا عینی دیدار کی خواہش نے ایک نہا
زبردست قبضہ جما رکھا ہے ؛

کیا درحقیقت پرماتما کہیں موجود ہے ؟ اگر ہے تو پھر میں اس کے
کیوں نہیں پا سکتا ؟ کیا میں درحقیقت وصداقت کا عینی مشاہدہ ا
عملی تجربہ کر سکتا ہوں ؟ اہلِ مغرب کو یہ تمام سوالات نہایت بیہودہ ا
وبعید از قیاس معلوم ہوتے ہیں ۔ لیکن ہمارے لئے ان میں کوئی با
بھی غیر ممکن اور ناقابلِ وقوع نہیں ؟ ان اور ایسی ہی دیگر بے شمار سے

کو حل کرنے کیلئے لوگ اپنی زندگیاں قربان کر دیتے ہیں۔ ان ہی سوالات کا جواب پانے کیلئے ہر سال ہزاروں ہندو اپنے اپنے گھروں کا عیش و آرام ترک کر دیتے ہیں۔ اور آئندہ مشکلات و صعوبات کا خیال تک بھی اپنے دل میں نہیں لاتے۔ بلکہ انہیں ہی برداشت کرتے کرتے آغوش اجل میں سرمدی کی نیند سو جاتے ہیں۔ اور اپنے عقیدے کے مطابق پھر دوسرے جنم میں پیدا ہو کر اسی تگ و دو میں مصروف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ کر عیش جاودانی اور سرور کامرانی حاصل کرتے ہیں۔

آپ اہل مغرب کو یہ سب باتیں محض قیاسی اور مبنی بر وہم و گمان محسوس ہوں گی۔ اور اس کی وجہ بھی مجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ مگر اتنے سال مغرب میں رہکر اور آپ لوگوں سے خوب مل جل کر میں آخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کہ اہل مشرق کیلئے یہ لامحدود والی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ اور جو لطف انسان کو اس زندگی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ کسی اور زندگی میں کہاں؟

آپ یاد رکھیں! کہ آپ کی یہ زندگی چند روزہ ہے۔ خواہ کوئی گلیوں اور سڑکوں پر کام کرنے والا مفلس و بیکس مزدور ہو۔ یا ہزاروں اور لاکھوں انسانوں پر حکومت کرنے والا چکرورتی مہاراجہ ہو۔ خواہ کسی کی صحت و تندرستی کیسی بھی اچھی کیوں نہ ہو۔ یا کوئی ہمیشہ دائم المریض یا پابہ گور ہی کیوں نہ رہتا ہو۔ ایک ہندو بہ بانگ دہل یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ زندگی کی اس پہیلی اور گورکھ دھندے کا صرف ایک ہی حل ہے۔ ایک ہی جواب ہے۔ اور

وہ حل یا جواب ہے ۔ پرماتما اور دھرم! اگر یہ سچ ہیں ۔ اور ان کی صداقت پر آپ کو یقین کامل ہے ۔ تب تو زندگی ہر حالت میں پر اطمینان ہے ہر طرح قابل رشک اور بہر حال بامعنی منفعت بخش و نتیجہ خیز ہے ۔ ورنہ محض فضول اور ایک بیکار بارِ گراں کے سوا کچھ بھی نہیں!

یہ ہمارا قدیم ترین فیصلہ و تصفیہ ہے ۔ ایک نہایت ہی پہلا عقیدہ ہے ۔ مگر کوئی بھی دلیل یا منطق اسے ثابت نہیں کر سکتی ۔ کیونکہ کسی بھی دلیل و منطق کی وہاں تک دسترس یا رسائی نہیں ۔ دلیل یا منطق صرف اسے ممکن و اغلب ثابت کر سکتی ہیں ۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ۔ کیونکہ عینی مشاہدہ صرف اندریوں (حواسات) کے ذریعہ ہے ۔ اور سب حواسات بے زبان ہیں ۔ کسی دھرم کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے ہمیں اس دھرم کی عینی طاقت اور عینی اثرات کا مشاہدہ ہونا چاہئے ۔ اسی طرح ایشور کی ہستی پر ایمان لانے اور یقین کرنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے ۔ کہ ہمیں ایشور کا عینی دیدار حاصل ہو ۔ ہمارا یہ ذاتی و عملی تجربہ ہی اس کی حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت ہو گا!

تلاش حقیقت میں بیقراری

اس خیال نے اس نو عمر لڑکے کے دل پر نہایت زبردست قبضہ کر لیا ۔ اور اپنی زندگی کا ہر ایک لمحہ وہ اسی خیال میں ۔ اور ان ہی

پر غور و خوض کرتے اور سر دھنتے ہوئے گذارنے لگا۔ ہر روز۔ بلکہ دن میں کئی کئی بار وہ مایوس اور چشم پُرآب ہو کر کہتا " ماں! تجھ میں کچھ حقیقت بھی ہے یا نہیں؟ کیا یہ سب کچھ میرا خیال اور وہم و گمان ہی ہے؟ کیا حقیقتاً تیری ہستی کچھ بھی نہیں؟ کیا تیری ہستی محض میری طرح غلطی اور دھوکے میں پھنسے ہوئے انسانوں کے تخیل اور شاعروں کی شاعرانہ بلند پروازیوں پر ہی مبنی ہے؟ یا یہ ایک لازوال اور غیر منقسم حقیقت ہے "

وہ نوجوان تمام کتابی علوم سے بالکل بے بہرہ تھا۔ کیونکہ اس نے کسی سکول یا پاٹھ شالہ میں کچھ بہت عرصہ تک تعلیم نہیں پائی تھی۔ اس لئے اس کا دل و دماغ ہر طرح تندرست۔ بے لوث اور قدرتی طور پر تر و تازہ تھا۔ اس مکار دنیا کی مکاری و عیاری کا اس پر کچھ بہت اثر نہیں پڑا تھا۔ اغیار کے خیالات سے لاعلم ہونے کے باعث اس کے اپنے خیالات ہر طرح پاکیزہ و بے لوث تھے۔ غرضیکہ یہ خیالات روز بروز اس کے دل میں زبردست سے زبردست تر ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اس کے دل کو بالکل محسور و مسخر کر لیا۔ اور آخر میں اسے ان کے سوا۔ دین و دنیا کی اور کسی بھی بات کا کچھ فکر نہ رہا۔ مورتی کی مناسب طریق پر پوجا کرنا بھی اس کے لئے دوبھر ہو گیا ہے۔ مورتی پوجا کے معمولی سے معمولی قواعد کی پابندی میں بھی اس سے غلطیاں ہونے لگیں۔ کبھی اگر مورتی کو بھوگ لگانا بھول جاتا تھا۔ تو کبھی اس کی آرتی اتارنے میں ہی اتنا محو ہوتا تھا۔ کہ دن بھر آرتی ہی اتارتا رہتا تھا۔

اس طرح اس مندر میں پوجاری کی خدمات بطریق احسن سرانجام دینا اس کے لئے بالکل ناممکن ہوگیا۔ وہ مندر چھوڑ کر ایک قریب کے جنگل میں ہی جا بیٹھا۔ اور دن رات وہیں مجذوبیت کے سے عالم میں محو رہنے لگا اپنی زندگی کے اس حصے کے حالات اس نے کئی مرتبہ غیر مسلسل طور پر مجھے سنائے ہیں۔ اس نے کئی بار مجھ سے کہا کہ اس زمانے میں اکثر مجھے آفتاب کے طلوع و غروب تک کا بھی علم نہ ہوتا تھا۔ اور نہ یہی خیال آتا تھا۔ کہ میں کس طرح اپنی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ غرضیکہ مجھ پر ہر طرح ایک تکمل خود فراموشی و بیخودی کا عالم طاری تھا۔ نہ کھانے پینے کی ہی کچھ فکر تھی۔ اور نہ پہلنے اوڑھنے کا ہی خیال!

مگر پرماتما مسبب الاسباب ہے۔ اس زمانے میں ایک خدا ترس سا رشتہ دار بڑی محبت و پریم سے میرے خور د: نوش کا خیال رکھتا تھا۔ وہ کہیں سے کچھ کھانے پینے کا سامان لاکر اسی نیم بیہوشی کی سی حالت میں میرے منہ میں آہستہ آہستہ دیتا رہتا۔ اور میں اسے ایک بیجان مشین کی مانند آہستہ آہستہ چبا چبا کر نگل لیا کرتا تھا!

غرضیکہ اس طرح شب و روز گذرنے لگے۔ تمام دن گذر جانے پر جب قریب کے مندر میں آرتی کے وقت سنکھ اور گھڑیالوں کی آواز وہ پوجا کرنے والوں کے لحن داؤدی سے نکلے ہوئے۔ پریم بھرے بھجنوں کی صدا درختوں کی شاخوں اور پتوں کو چیرتی ہوئی۔ اور ہوا کی لہروں پر رقص کرتی ہوئی میرے کانوں تک پہنچتی تو میں بیقرار ہو جاتا۔ رو رو کر دیتا!!

سے مضطرب ہو کر نہایت غم آلود لہجے میں کہتا۔ ماں! ایک دن اور گذر گیا اور تو نہ آئی۔ ہائے! میری یہ چند روزہ زندگی یونہی گذر رہی جا رہی ہے۔ اور مجھے یہ رازِ حقیقت واہیں ہوتا۔ کیا میں صداقت کی تلاش میں یونہی تڑپ تڑپ کر مر جاؤنگا؟

علمِ حقیقی کو حاصل کرنے کیلئے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہو جانے والی یہ ایک نہایت تیز پیاس تھی۔ جو مجھے اس طرح مضطرب و پریشان کر رہی تھی۔ اور ماہی بے آب کی مانند تڑپا رہی تھی"۔

گورو دیو نے مجھ سے اپنی اس پیاس کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا تھا "میرے عزیز بچے! اگر ایک کوٹھڑی میں اشرفیوں کی کوئی تھیلی رکھی ہو۔ اور اس کے پاس دوسری کوٹھڑی میں کوئی ڈاکو ہو۔ تو کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اس ڈاکو کو نیند آ جائے گی؟ نہیں! ہرگز نہیں! وہ تو یہی سوچتا رہے گا کہ کس طرح دوسری کوٹھڑی میں جاؤں؟ اور وہاں رکھی ہوئی دولت حاصل کروں۔ اسی طرح کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ جس شخص کو اس امر کا پورا پورا یقین ہو جائے۔ کہ اس مایا اور پرکرتی (قدرت) کے اس جھوٹے پردہ کے پیچھے ایک لازوال صداقت بھی پوشیدہ ہے۔ تو کیا وہ اسے دریافت کئے بغیر رہ سکتا۔ جب ہم یہ اچھی طرح جان جاتے ہیں۔ کہ وہ سچدانند سروپ۔ صداقت مکمل۔ علم مکمل اور سرور مکمل پرماتما بھی اس پردے کے پیچھے ہی موجود ہیں۔ جنہیں پا کر ہمیں ایک ایسا لاثانی و بےمثال سکھ حاصل ہو سکتا ہے۔ جس کے مقابلے میں دنیا بھر کی ہر

تمام جسمانی و نفسانی لذات محض ہیچ و ناکارہ ہیں۔ توہم انہیں حاصل کئے بغیر کبھی چین سے بیٹھ سکتے ہیں؟ کیا ہم کوئی ایک لمحہ بھی ایسا ضائع کر سکتے ہیں۔ جس میں ان کے پانے کی دل و جان سے کوشش نہ کی گئی ہو؟ نہیں! ہرگز نہیں!! اس پرم پد تک پہنچنے کی خواہش اور لگن ہمیں ضرور دیوانہ بنا دیگی۔"

جوئندہ یابندہ

غرضیکہ اسی مقدس دیوانہ پن نے اس نوجوان پر کبھی قبضہ حاصل کر لیا۔ اس وقت تک اس کا کوئی گورو نہ تھا۔ کوئی رہبر نہ تھا۔ جو اسے اپنے مقصد و مطلوب تک پہنچنے کی سیدھی سیدھی راہ بتلاتا۔ جو شخص بھی اسے دیکھتا تھا۔ یہی کہتا تھا۔ کہ اس کا دماغ بگڑ گیا ہے۔ اس کا سر پھر گیا ہے۔ لیکن اسے سیدھا اور سچا راستہ بتلانے والا کوئی بھی نہ ملتا تھا۔ اس دیوانی دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی اس کی جھوٹی شان و شوکت کا خیال چھوڑ دیتا ہے۔ اسے بھی لوگ پاگل کہنے لگتے ہیں۔ لیکن وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ اس دنیا کی حقیقی زندگی کا انحصار ایسے ہی پگلوں پر ہے۔ اسی پاگل پن سے ان کی ان پوشیدہ پُرجلال طاقتوں کا نشوونما ہوتا ہے۔ جن کی بدولت وہ ہماری اس دنیا کی جڑوں اور بنیادوں تک کو ہلا دیتے ہیں۔ نیز اسی پاگل پن سے مستقبل قریب یا

کی وہ طاقتیں پیدا ہونگی۔ جو اس دنیا کو پھر بار بار انگشت بدنداں کر دینگی
حصول صداقت کی زبردست جدوجہد اور روحانی جنگ و جدل
کے یہ دن۔ یونہی آہستہ آہستہ ہفتوں اور مہینوں میں تبدیل ہوتے
گئے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس نوجوان کو نورِ حقیقت کی جھلک نظر آنے لگی۔
اس کی تمام خفیہ و خفتہ طاقتیں روز بروز بیدار ہو کر نمودار ہونے لگیں۔ اس کے
آئینۂ دل سے ایک پردے کے بعد دوسرا پردہ ہٹتا چلا گیا۔ ماں خود
اس کی گورو اور رہنما بنی۔ اور اس نے خود اسے وہ پوشیدہ راستہ
دکھایا جس کی تلاش میں وہ ایسا بیقرار و مضطرب ہی تھا۔ اس وقت وہاں
خود بخود ایک نہایت خوبصورت اور مہ جبین نازنین کہیں سے آ پہنچی۔ جو
حسن صورت کے ساتھ صرف حسن سیرت سے ہی مستفیض نہ تھی
بلکہ علم حقیقت کے اور ہائے پوشیدہ و اسرار ہائے نہفتہ سے بھی سرلبسر
آگاہ تھی۔ گورو دیو فرماتے تھے۔ کہ وہ دیوی غیر معمولی طور پہ علم و عمل سے فیضیاب
تھی۔ اس لئے اگر اسے مجسم علم یا (ودیا کی دیوی) سرسوتی کا اوتار بھی کہا جائے
تو کسی طرح بیجا نہ ہوگا"۔

ہماری ہندوستانی کا یہ نہایت عجیب و غریب پہلو یہاں بھی آپکو
نظر آئے گا۔ ایک طرف تو معمولی عورتیں جہالت اور لاعلمی کی گھٹا ٹوپ تاریکی
میں پھنسی ہوئی ہیں۔ مگر دوسری طرف آپ کی اس نام نہاد آزادی سے
اس طرح محروم ہونے کے باوجود بھی ان میں ہی ایسی دیویاں بھی مل سکتی ہیں
جو روحانیت کی بلند ترین منازل طے کر چکی ہیں۔ یہ دیوی بھی ایک ایسی

ہی سنیاسنی تھی۔ کیونکہ ہمارے ہندوستان میں عورتیں بھی مردوں کی مانند ترک دنیا کر کے اور اپنی سب دولت و ثروت پر لات مار کر غیر شادی شدہ رہ کر پرماتما کی اپاسنا اور بھگتی کر سکتی ہیں۔

حاصل کلام یہ سنیاسنی دیوی کہیں وچرتی (گھومتی پھرتی) ہوئی آنکلی۔ اور اس مجذوب بن باسی بالک کے عیش اور کیرتی یعنی شہرت اور ناموری کی کہانی اسے اس کے پاس کھینچ لائی۔ ماں نے بالک کے دکھ کو پہچان لیا۔ اور اسے اپنی چھاتی سے لگا کر پریم بھرے لہجے میں کہا "میرے بچے! وہ شخص بہت ہی مبارک ہے جو اس طرح دیوانہ ہو جاتا ہے۔ ویسے تو یہ تمام دنیا ہی ایک پاگل خانہ ہے۔ یہاں کوئی دولت کیلئے پاگل ہے۔ تو کوئی عیش و آرام کے لئے۔ کوئی شہرت کے لئے دیوانہ ہے۔ تو کوئی جورو بچوں کیلئے پاگل اور چیزوں کے لئے۔ مگر مبارک ہیں۔ وہ شخص جو پرماتما کے پاگل ہیں لیکن ایسے انسان دنیا میں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔

یہ دیوی برسوں تک اس نوجوان کے پاس رہی اور اسے ہندوستان کے سبھی مت متانتروں کی تعلیم دیتی رہی۔ اسی نے اسے یوگ ابھیاس کے عمل سکھا کر ان کی بہت سی منزلیں عبور کرائیں۔ غرضیکہ اس دیوی نے نوعمر ناتجربہ کار نوجوان کی تمام پوشیدہ مگر نہایت زبردست طاقتوں کو ترقی اور نشوونما دیکر سیدھے راستے پر لگا دیا۔ اور خود نہ معلوم کہاں غائب ہو گئی۔

بعد ازاں اسی بن میں ایک سنیاسی مہاتما آ پہنچے۔ وہ بھیک مانگ کر اپنا گذارہ کرتے تھے۔ اور ہندو فلسفے (چھیوں درشنوں) کے ...

عالم و ماہر تھے ۔ ان کے خیالات نہایت عجیب و غریب تھے ۔ ان کا عقیدہ تھا ۔ کہ یہ دنیا عالم حقیقت نہیں ہے ۔ اپنے اس دعوے کی صداقت دکھانے کیلئے وہ کبھی کسی کے گھر نہیں جاتے تھے ۔ بلکہ ہمیشہ سردی ۔ گرمی ۔ برسات وغیرہ سب موسم باہر کھلے میدان میں ہی گذار دیتے تھے ۔ وہ اس نوجوان کو ویدوں کی تعلیم دینے لگے جس سے انہیں جلد ہی یہ معلوم ہو گیا ۔ کہ یہ چیلا بہت سی باتوں میں گورو سے بھی بڑھا چڑھا ہے ۔ یہ مہاتما بھی ان کے پاس کئی مہینے تک رہے ۔ اور پھر انہیں سنیاس آشرم کی دیکشا دے کر کہیں چلے گئے ۔

شادی خانہ آبادی

نوجوان سنیاسی کے عزیزوں اور رشتہ داروں نے یہ خیال کیا تھا ۔ کہ اگر اس کی شادی کر دی جائیگی ۔ تو شاید اس کا دیوانہ پن دور ہو جائے ۔ ہمارے ہندوستان میں اکثر ماں باپ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں سے پوچھے بغیر ہی ان کی شادی کر دیا کرتے ہیں ۔ چنانچہ اس نوجوان کی شادی بھی ۱۸ سال کی عمر میں ہی ایک پانچ سالہ لڑکی سے شادی کر دی گئی تھی ۔ دراصل یہ شادی نہیں سگائی ہی ہوتی ہے ۔ کیونکہ اصلی شادی تو اسی وقت سمجھنی چاہئیے جبکہ لڑکی جوان ہو کر اپنے پتی کے گھر میں جا کر رہنے لگے ۔ یہ نوجوان تو اپنی بیوی کے متعلق سبھی کچھ بھول چکا تھا ۔ اس لڑکی نے اپنے میکے میں ہی جو کلکتہ سے

بہت دور دراز فاصلہ پر تھا۔ یہ سنا کہ میرا پتی سنیاس اور دھرم کی تلاش میں مصروف ہے۔ اور سب لوگ اسے دیوانہ خیال کرتے ہیں۔ یہ
اس کے دل میں ان کے درشنوں کی خواہش پیدا ہوئی۔ جو آہستہ آہستہ
اتنی تیز ہو گئی۔ کہ وہ اپنے پتی دیو کے متعلق سب حقیقت حال معلوم کرنے
کی غرض سے خود ہی اپنے گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ بالآخر جب وہ اپنے
سنیاسی پتی کے سامنے آکر پہنچی۔ تو نوجوان سنیاسی نے اسکے متعلق اپنی
سب ذمہ واریوں کو فوراً تسلیم کر لیا۔ ہندوستان میں ہر ایک شخص
خواہ وہ مرد ہو یا عورت مذہبی زندگی بسر کرنے پر شادی کے متعلق
پابندیوں اور ذمہ واریوں کی فولادی زنجیروں سے قطعی طور پر آزاد ہو جاتا ہے۔
یہ جوان سنیاسی اس دیوی کے قدموں پر گرا اور بولا "دیوی میں
ہر ایک استری کو ماتا کی نظروں سے دیکھنے کو عہد کر چکا ہوں
پھر بھی میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے ہر طرح تیار ہوں"۔
اس نوجوان لڑکی کی آتما بڑی پاک و مقدس تھی۔ [illegible]
اپنے پتی دیو کے دل کی عظمت و بزرگی پہچان گئی۔ اس کے دل میں ان
خیالات کے لئے ہمدردی کی ایک زبردست لہر پیدا ہو گئی۔ اس
اس نے فوراً ہی ان سے یہ کہا کہ "مہاراج میں آپ کو اس سنسار کے
جال میں پھنسانے کیلئے نہیں آئی۔ بلکہ صرف آپ کے پاس رہ کر
آپ کی خدمت کرنے کو [illegible]
تعلیم سے فیضیاب ہونے کی خواہشمند ہوں۔ اس طرح وہ دیوی

اس نوجوان سنیاسی کے بھگتوں میں شامل ہو کر ایک دیوتا کی مانند ان کی پوجا کرنے لگی۔ اور اس طرح سوامی جی بھی اپنی دھرم پتنی (بیوی) کی اجازت سے گرہست کی آخری زنجیر توڑ کر سنیاسی کی زندگی بسر کرنے کیلئے کامل طور پر آزاد ہو گئے ٭

دیگر مذاہب کے متعلق عملی تحقیقات

اب آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دیگر مذاہب کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ اور ان کے اصولوں سے بھی واقفیت حاصل کی جائے۔ ابھی تک وہ صرف اپنے سمپردائے کی ہی تعلیم سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور سمپردائے یا مذہب کی تعلیم سے کچھ بھی واقفیت نہ تھی۔ اس لئے وہ ان کے رازو رموز کو بھی جاننا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ دیگر مذاہب کے بڑے بڑے گوروؤں اور حقیقی رہنماؤں سے ملے۔ یہ آپ اچھی طرح یاد رکھیں۔ کہ "گورو" لفظ سے میرا مطلب بڑے بڑے پوتھے پڑھے ہوئے کتابی عالموں سے ہرگز نہیں۔ بلکہ ان برگزیدہ انسانوں سے ہے۔ جو اپنے اپنے دھرم کی حقانی رموز سے پورے پورے واقف ہیں۔ اور ہر طرح سے عالم باعمل ہیں۔ نیز جنہوں نے اُس صداقت وحقیقت کا علم حاصل کر لیا ہے۔ جو کتابی عالموں کو ہزارہا سال کی محنت ومشقت سے بھی حاصل نہیں ہو

سکتی ؛

اس سلسلے میں ایک مسلمان درویش سے آپ کی رابطہ ضبط بہت بڑھ گیا۔ آپ اس کے پاس ہی رہنے لگے۔ اور اس کے بتائے ہوئے قواعد کی پوری پوری پابندی کرنے لگے۔ آخر آپ کو یہ معلوم کر کے بہت تعجب ہوا۔ کہ ان اصولوں کی پیروی کر کے بھی آپ بالآخر اسی منزل پر پہنچ گئے ہیں جہاں آپ پہلے اپنے مت کی پیروی میں پہنچ چکے ہیں۔ اسی طرح مذہب عیسوی کی حقیقی پیروی کا بھی یہی انجام ہوا۔ علاوہ ازیں ملک میں پھیلے ہوئے جتنے بھی مت متانتر اور مذہبی فرقے تھے آپ کو علم ہوا۔ اور ان کو کوئی حقیقی عالم ملا۔ اس سے آپ نے فیض صحبت حاصل کیا۔ اور اس کے بتائے ہوئے طریق پر عمل کیا۔ آخر اپنے عملی تجربے سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ سب مذاہب کا مقصد اور منزل مقصود ایک ہی ہے۔ اس لئے وہ سب ایک ہی راستے ہیں۔ فرق صرف طریق عمل کا ہے۔ [illegible] کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حقیقت میں سب کا ایک ہی ہے؛

اختلاف تجنس کی بابت

پھر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سب [illegible] مرد و عورت کی تفریق و تقسیم بھی [illegible]

آتما نہ تو مرد ہی ہے ۔ اور نہ عورت ہی ۔ یہ فرق تجنیس تو محض اس مادی جسم کے باعث ہے ۔ اس لئے آتما کا حقیقی راز معلوم کرنے کے لئے انسان کو اس خیال سے بھی بالا تر ہو جانا پڑے گا ۔ اور اس اختلاف کو بھی اپنے دل سے مٹا دینا ہوگا ؛

خود مردانہ قالب میں ہونے کے باعث آپ نے تمام دنیا کو بھی زنانہ قالب میں سمجھنا شروع کر دیا ۔ اور آخرکار یہ سوچنے لگے ۔ کہ ہم بھی ان سے مختلف نہیں ۔ یعنی مرد نہیں بلکہ عورت ہی ہیں ۔ یہ خیال دل میں آتے ہی آپ نے عورتوں کا سا لباس پہننا شروع کر دیا ۔ عورتوں کی مانند ہی بات چیت کرنے لگے ۔ اور اپنے خاندان کی عورتوں میں ہی مل جل کر رہنے لگے ۔ سالہا سال تک اس طرح زندگی بسر کرنے کے بعد مرد اور عورت کی تفریق کا خیال بھی آپ کے دل سے بالکل مٹ گیا ۔ اور زندگی نے آپ کے لئے ایک اور ہی شکل اختیار کر لی ؛

ہم مغرب میں عورتوں کے عزت و احترام کی بات بہت سنتے ہیں ۔ لیکن یہاں عورت کی عزت صرف اس کے حسن و شباب کے باعث ہے لیکن میرے گورو دیو ہر عورت کو ہی بخوبی عطا کرنے والی ماں ! دیوی بھگوتی ماں کر قابل پرستش سمجھتے تھے ۔ اور اس کی پوجا کیا کرتے تھے ۔ میں نے انہیں ان عورتوں کے قدموں پر بھی سر جھکاتے دیکھا ہے ۔ جنہیں سوسائٹی کے لوگ عام طور پر چھونا بھی پسند نہیں کرتے ۔ میں نے انہیں ان عورتوں کے قدموں پر آنسو بہا بہا کر یہ کہتے ہوئے سنا ہے ۔ کہ "ماں ! ایک روپ میں

تو تم گلی گلی ماری ماری گھومتی پھرتی ہو۔ مگر دوسرے روپ میں تم ہی تمام دنیا ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا لیلا ہے؟ ماتا! میں تمہیں نمسکار کہتا ہوں! کہتا ہوں!

سامعین! ذرا اس زندگی کی خوبصورتی پہ غور فرمایئے! جس کی نظر تمام دنیا داری اور زمانہ سازی دور ہو گئی ہے۔ جس کی نگاہ پڑتے ہی ہر ا عورت کی صورت و ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بجائے میں ا صرف اپنی معبود اور دنیا بھر کی بہتری و بہبودی کرنے والی۔ کلیان کارم ماتا کا ہی پُر نور و پُر جلال جلوہ نظر آتا ہے۔ ایسے انسان ا ہی درحقیقت عورت کے ساتھ پریم اور عقیدت کا سبق سیکھا ہے باقی تو سب بوالہوس ہیں۔ وہ پریم اور محبت کیا جانیں؟

صاحبان اسی پاکیزہ تعلیم کی ہم سب کو اشد ضرورت ہے۔ کیا آ کا بھی یہ خیال ہے۔ کہ عورت کی پاکیزگی کبھی تباہ ہو سکتی ہے؟ نہیں! یقین مانیئے! عورت کی پاکیزگی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ وہ کبھی برباد نہیں ہوتی! کی خصلت ہی یہ ہے۔ کہ وہ ہر طرح کی عیاری و مکاری کو تاڑ جائے اور صداقت حقیقت و پاکیزگی کو اپنی چھاتی سے لگائے سچے آتم گیا کے لئے اسی قسم کی پاکیزگی کی اشد ضرورت ہے!

اسی قسم کی لازوال اور ناقابل لمس نہ چھوئے جا سکنے کے قابل ما اس مہاپرش کی زندگی میں بھی سرایت کر گئی تھی۔ کیونکہ وہ میدان عمل مرجنگ و جدل میں فتحیاب و ظفر مند ہو چکا تھا۔ اسی فتح کے حصول

اس نے اپنی زندگی کے تین چوتھائی حصے کو ہر طرح کی محبت شاقہ میں صرف کر دیا تھا۔ اور اب روحانیت کا وہ گوہر بے بہا نمزاد اس کے ہاتھ آنے کا مبارک وقت آگیا تھا۔

اُن کے وعظ و تعلیم کا طریقہ بھی عجیب تھا۔ کیونکہ وہ کبھی پیر و مرشد کی جگہ نہ لیتے تھے۔ بلکہ اپنے آپ کو ایک معمولی انسان ہی سمجھتے۔ ہمارے ملک میں واعظ۔ پیر اور گورو کا درجہ ایشور کے مانند ہی قابل عزت سمجھا جاتا ہے۔ ماں باپ کو بھی اتنی عزت و عقیدت سے نہیں دیکھا جاتا جتنا کہ گورو کو۔ کیونکہ ماں باپ تو ہمیں صرف یہ مادی جسم ہی بخشتے ہیں۔ مگر گورو تو ہماری آتما کو مکتی کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس طرح ہم گورو کی روحانی اولاد بن جاتے ہیں۔ وہ ہمیں ایک طرح کی نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ اسی لئے سب ہندو اپنے دھرم گورو کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی ایک ایسے ہی مقدس دھرم گورو تھے۔ جن کا میں آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں۔ مگر یہ ان سب سے نرالے اور عجیب تھے۔ کیوں کہ انہیں اس بات کا قطعی غرور نہ تھا۔ کہ میں قابل تعظیم ہوں۔ یا کوئی بڑا عالم یا گیانی ہوں۔ وہ تو یہ سمجھتے تھے۔ کہ جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں۔ ماتا ہی مجھ سے کہلواتی ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ ہی یہ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر کبھی میں کوئی اچھی بات کہتا ہوں۔ تو وہ ماں ہی مجھ سے کہلواتی ہے۔ میرا اس میں کیا ہے۔ اپنے ہر ایک فعل کے متعلق ان کا ہمیشہ یہی خیال تھا۔ اور

یہی خیال جو تادمِ مرگ قائم رہا ؛
اس مہاپرش نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اس کا
عقیدہ تھا۔ کہ پہلے مکمل انسان بنو۔ اپنی ہستی کے متعلق علم حاصل
کرو۔ پھر اس کا ثمر تمہیں خود بخود مل جائیگا۔ وہ یہ مثال اکثر دیا کرتے تھے۔
کہ جب کنول کھلتا ہے۔ تو شہد کی مکھیاں اس پر منڈلانے کے لئے
خود بخود آجاتی ہیں۔ اسی طرح تم بھی اپنے چال چلن کو کنول پھول کی مانند
کھلنے دو۔ اس کا نتیجہ تمہیں اپنے آپ حاصل ہو جائیگا۔ سیکھنے کے لئے
یہ ایک نہایت ضروری مگر مشکل سبق ہے۔ گورو دیو مجھے یہ سبق بار بار پڑھایا
کرتے تھے مگر پھر بھی میں اسے اکثر بھول جایا کرتا تھا۔ اور اب بھی کبھی کبھی
بھول جاتا ہوں ؛

خیال کی طاقت

طاقت خیال کے متعلق بہت کم لوگوں کو یہ علم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص
کسی گہری پہاڑی گفا میں بھی بند ہو کر کسی عمدہ خیال پر غور کرتا رہا
جاتا ہے۔ تو اسکے خیال کی لہریں پہاڑ کی سنگین دیواروں کو چھید کر
ہوا کے تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر دور دراز کے علاقوں میں پہنچ جاتی
اور وہاں کے باشندوں کے دلوں میں جا سماتی ہیں۔ یہ قوت خیال
ایک نہایت ہی زبردست قوت ہے۔ لیکن اپنے خیالات کو

پر ظاہر کرنے کے لئے بیقرار و مضطرب ہونے کی کچھ ضرورت نہیں۔ پہلے انہیں اپنے دل میں جمع اور مضبوط ہونے دو۔ یہ یاد رکھو کہ جس کے پاس کچھ سکھانے کے لئے ہے۔ صرف وہی سکھا سکتا ہے۔ دھرم سکھانا صرف باتیں بنانا ہی نہیں۔ دھرم تو ایسے ہی دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ میں تمہیں ایک پھول دے سکتا ہوں۔ اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہندوستان میں نہایت قدیم زمانے سے یہ عقیدہ چلا آیا ہے۔ مغرب میں بھی اسی سے ملتا جلتا ہوا گوروؤں کی وراثت کا خیال ہے۔ جو رومن کیتھولک فرقے کے ان سادھوؤں (سینٹس Saints) میں پایا جاتا ہے۔ جو اپنے آپ کو حضرت مسیح کے بارہ شاگردوں کے سلسلہ کا شاگرد مانتے ہیں۔ اس لئے تمہارا پہلا اور سب سے افضل فرض یہ ہے۔ کہ اپنا خیال چلن مضبوط بناؤ۔ صداقت کا علم پہلے خود حاصل کرو۔ پھر تمہیں ایسے لوگ بہت مل جائیں گے جنہیں تم کچھ سکھا سکو گے۔ وہ سب خود ہی تمہاری طرف کھچے چلے آئیں گے۔

میرے گورودیو کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ وہ کبھی کسی کے بھی عیبوں پر نکتہ چینی نہ کرتے تھے۔ میں سالہا سال تک ان کے قدموں میں رہا لیکن میں نے کبھی انہیں کسی مذہب کے لئے کوئی مذمت آمیز لفظ اپنی زبان سے نکالتے ہوئے نہیں سنا۔ ان کے دل میں سب مذہبوں کے لئے یکساں عزت تھی۔ وہ ان کی باہمی یگانگت ویکسانیت کو پہچان گئے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ کوئی خواہ گیان۔ بھگتی یا کرم مارگ کا پیرو ہو۔ یا راز عرفان کا

ماہر آخر میں وہ سب ایک ہی جگہ جا ملتے ہیں۔ دنیا کے سب مذاہب اور
مت متانتر ان میں سے ہی کسی ایک طریق کے ماننے والے ہیں۔ اس
لئے آخر میں یہ سب ہی ایک ہو جاتے ہیں۔ زمانہ مستقبل میں دنیا اسی
مرحلہ کی طرف جا رہی ہے۔ اسی لئے میرے گورو دیو کبھی کسی کی مذمت
نہ کرتے تھے۔ اور سبھی مذاہب کے روشن پہلوؤں کو اختیار کر کے
ان کی پیروی کرتے تھے ۔

گورو دیو کے درشن

معمولی دیہاتی زبان میں اس غیر معمولی انسان کے اپدیش
کے لئے جوق در جوق سینکڑوں مرد عورت جمع ہو جاتے تھے۔ ان کی
کا لفظ لفظ گیان اور جوش سے پر ہوتا تھا۔ تقریر کرنے والے مقرر کی پاک
نفسی اور برگزیدہ شخصیت اس کے الفاظ میں جان پیدا کرتی ہے
اس لئے خواہ کچھ بھی کہا جائے۔ اور کسی بھی زبان میں کہا ہوئے۔ وہ
ہی اثر پذیر ہوتا ہے۔ اس امر حقیقت کے متعلق ہم سب کا تجربہ ایک جیسا
ہی ہو سکتا ہے۔ ہم سب اکثر اچھی اچھی اور دلکش تقریریں سنتے ہیں۔
گھر جا کر سب بھول جاتے ہیں۔ اس کے برعکس کبھی کبھی ہم خوب
سادہ زبان میں چند فقرات بھی سن لیتے ہیں۔ جو ہمارے دل پر
نقش ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے دل و دماغ میں اپنا گھر بنا لیتے ہیں

کہ ان کا اثر تا عمر زائل نہیں ہوتا۔ اس کا باعث یہی ہے۔ غرضیکہ جو انسان اپنی ذاتی اور عملی ہستی کا اظہار الفاظ میں کر سکتا ہے۔ اس کی ہی باتوں میں اثر بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ذات اور شخصیت شاندار ہونی چاہئے۔ تب ہی اس کی کوئی تعلیم بھی شاندار ہوگی۔ اور تب ہی وہ کسی کو تعلیم دے بھی سکے گا جب گورو کے اپنے پاس کچھ دینے کے لئے ہو۔ تب ہی وہ کچھ دے سکتا ہے۔ اور شاگرد اس سے کچھ لے سکتا ہے۔ کسی کو کچھ دینے سے پہلے گورو کے اپنے پاس بھی تو دینے کے لئے کچھ ہونا چاہئے۔ اور ساتھ ہی اس کے شاگرد کو بھی کھلے دل سے لینے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔

کلکتہ ہندوستان کا پایہ تخت[1] ہے۔ جہاں کہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ وہاں سے ہر سال سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مادہ پرست اور ملحد نوجوان تعلیم پا کر نکلتے تھے۔ کلکتے کے قریب ہی میرے گورو دیو رہتے تھے۔ مختلف کالجوں اور سکولوں کے نوجوان جا جا کر ان کی تقریریں سنا کرتے تھے۔ میں نے بھی ان کا ذکر خیر سنا۔ اور ان کے اپدیش سننے کے لئے وہاں جا پہنچا۔ دیکھنے میں وہ ایک معمولی سے انسان نظر آتے تھے۔ ان میں کوئی خصوصیت دکھائی نہ دیتی تھی وہ نہایت آسان اور سادہ زبان میں اپدیش کر رہے تھے۔ پہلے میں نے

---

[1] یہ تقریر ۱۸۹۶ء میں کی گئی تھی۔ اسوقت تک گورنمنٹ ہند کا صدر مقام کلکتہ سے دہلی منتقل نہ ہوا تھا۔

اپنے دل میں خیال کیا - کہ کیا یہ بھی کوئی بڑے دھرم اُپدیشک ہو سکتے ہیں ؟
آخر میں کھچتا کھچتا میں انکے قریب جا پہنچا - موقع پا کر میں نے ان سے بھی وہی
سوالات کئے - جو میں اکثر اوروں سے کیا کرتا تھا - میں نے دریافت کیا "کیا
آپ کو ایشور کی ہستی پر یقین ہے ؟" جواب ملا "ہاں" میں نے پھر پوچھا کہ "کیا آپ
اس کی ہستی کو ثابت بھی کر سکتے ہیں ؟" پھر جواب ملا "ہاں" میں نے
پوچھا "کیسے ؟" جواب ملا "میں ایشور کو ویسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے کہ
تمہیں - فرق صرف اتنا ہے - کہ تمہاری نسبت اس کا دیدار زیادہ گہرا
اور زیادہ صاف ہے" - اس جواب سے میں فوراً ہی بیحد متاثر ہوا - عمر بھر
میں پہلی مرتبہ مجھے یہ ایک مہاپرش ملے تھے - جو یہ کہہ سکتے تھے کہ "میں نے
پرماتما کو دیکھا ہے - اور دھرم ایک پختہ حقیقت ہے - جو دنیا کی دیگر اشیا
کی مانند جانی جا سکتی ہے - بلکہ جس کا احساس ان سے بھی زیادہ اچھی طرح
کیا جا سکتا ہے" - غرضیکہ میں روز بروز اس مہاپرش کے نزدیک سے
نزدیک تر ہوتا گیا - اور آخر میں نے خود یہ محسوس کر لیا کہ درحقیقت دھرم
دیا اور لیا جا سکتا ہے ؟

ایک مس اور ایک نظر - زندگی میں تبدیلی پیدا کر سکتی ہے - میں نے
بدھ - مسیح - محمدؐ اور ان قدیم مذہبی واعظوں کا حال پڑھا ہے - جو معمولی گرے
ہوئے انسان سے یہ کہتے تھے - کہ "تو کامل ہو جا" اور وہ کامل ہو جاتا تھا -
اب میں نے ان بیانات کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے - جب میں نے اس
مہاپرش کے درشن کئے - تو سب شک و شبہ خود بخود دور ہو گئے - اور

یہ معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ناممکن نہ تھا۔ ان کا قول تھا۔ کہ دھرم دنیا کی دیگر اشیا کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ دیا اور لیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے پہلے اپنی آتما کا یعنی اپنی ہستی اور شخصیت کا علم حاصل کرو۔ اوروں کو کچھ دینے کے لئے اپنے پاس پونجی پیدا کرلو اور پھر دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر اسے لٹا دو۔ دھرم کوری زٹل بازی نہیں ہے۔ نہ بے بنیاد عقاید، منطق اور فرقہ پرستی کا مجموعہ ہی ہے۔ یہ دھرم سبھاؤں اور فرقوں میں نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ دھرم تو آتما اور پرماتما کے تعلق کا نام ہے۔ کسی سبھا یا جماعت میں وہ کہاں سے آسکتا ہے؟ ایسی صورت میں تو دھرم کا سودا ہونے لگیگا۔ اور جہاں بھی تجارت یا تجارت کے اصولوں کا دھرم میں استعمال کیا جائیگا وہیں روحانیت یا آتما کا گیان اڑ جائے گا۔ یہ مسجد۔ مندر اور گرجا بنوانے میں دھرم نہیں۔ نہ مجلسی پوجاؤں اور دعاؤں میں شریک ہونے کا نام ہی دھرم ہے۔ نہ سبھاؤں میں۔ نہ تقریروں میں۔ نہ کتابوں میں۔ نہ الفاظ میں! دھرم ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔ دھرم صرف اپنی ہستی کا علم حاصل کرنے میں منحصر ہے۔ امر حقیقت تو یہ ہے۔ کہ ہم سب ہی نہایت اچھی طرح یہ جانتے ہیں۔ کہ جب تک ہمیں خود حقیقت کا علم نہ ہوگا تب تک اس پہ ہیں اعتقاد بھی نہ ہوگا۔ خواہ ہم کتنا بھی بحث و تمحیص کیوں نہ کریں۔ کتنے بھی لیکچر اور تقریریں کیوں نہ سنیں۔ ان سے ہمیں کبھی اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ جب ہمیں ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہو جائیگا۔ تب ہی اطمینان ہوگا۔ اس طرح کا ذاتی تجربہ اگر ہم حاصل کریں۔ تو ہم سب کے لئے

ہی یہ عین ممکن ہے ۞

دھرم کے ذاتی احساس کے لئے پہلا نصب العین تیاگ اور ترک ہے جہاں تک بھی ممکن ہو۔ ہمیں ترک اور تیاگ کرنا چاہئے۔ مادی روشنی اور روحانی نور دنیاوی عیش و آرام اور روحانی سرور دونو ضدیں کبھی اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے۔ تم خدا اور شیطان دونو کی خدمت بہ یک وقت سرانجام نہیں دے سکتے ۞

دھرم ایک دوسرے کے مخالف نہیں

دوسری بات جو میں نے اپنے گورو دیو سے سیکھی۔ وہ اس سے بھی زیادہ اہم اور خوبصورت ہے۔ انہوں نے مجھے یہ نہایت ہی خوشنما صداقت سکھائی۔ کہ سب دھرم ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔ نہ ان میں ایک دوسرے سے کچھ بہت زیادہ فرق ہی ہے۔ وہ سب ایک ہی لازوال و لافانی پُر راز صداقت دھرم کے مختلف پہلوؤں کو بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک پہلو بذات خود مکمل ہے۔ یہ قدیم دھرم دنیا میں لامحدود زمانے سے قائم رہا ہے۔ اور رہیگا۔ مختلف ممالک میں یہ دھرم مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں سب ہی نام نہاد مذاہب کا جو حقیقتاً۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ ایک ہی دھرم کے مختلف پہلو ہیں۔ یکساں طور پر عزت و احترام کرنا چاہئے۔ اور جہاں تک

ممکن ہو سکے سبھی کے اصولوں کی پیروی و پابندی کی کوشش کرنی چاہئے

سب مذاہب ایک ہی عالمگیر مذہب کے مختلف پہلو ہیں

محض قومی خصوصیات اور ملکی حالات کی بنا پر ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک بانی مذہب کی ذاتی قوتوں کی مطابقت سے بھی ہر مذہب کی شکل و صورت قائم ہو گئی ہے۔ ایک شخص میں افعال و اعمال کی طرف سے اس کی مسلسل و پیہم رغبت و رجحان کے باعث اگر دھرم طریق عمل میں نمایاں ہوا ہے۔ تو دوسرے میں اسی دھرم نے اس کی خلقی شردھا اور بھگتی۔ عقیدتمندی اور خوش اعتقادی کے باعث بھگتی اور پریم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ تیسرے میں وہی راز حق اور تصوف کا پہلو اختیار کر گیا ہے۔ تو چوتھے میں وہی فلسفہ بن گیا ہے۔ اسی طرح اگرچہ ہر ایک مذہب اپنی ظاہری شکل و صورت میں ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ضرور ہو گیا ہے۔ مگر باطنی تعلیم و عملی مقصد سب مذاہب کا ایک ہی ہے۔ اس لئے یہ کہنا سراسر غلط ہو گا۔ کہ صرف فلاں مذہب ہی سچا ہے اور فلاں مذہب سچا نہیں۔ ہمیں اس راز حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ ایک ہی صداقت مختلف صورتوں میں ظاہر ہو سکتی ہیں۔ الگ الگ مقامات اور گوشوں سے دیکھنے پر ایک ہی چیز کی حقیقت و صداقت مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتی ہے۔ یہ امر سمجھ میں آ جانے پر ہمیں کسی بھی مذہب و ملت سے

ہی یہ عین ممکن ہے ۔
دھرم کے ذاتی احساس کے لئے پہلا نصب العین تیاگ اور ترک ہے جہاں تک بھی ممکن ہو ۔ ہمیں ترک اور تیاگ کرنا چاہیئے ۔ مادی روشنی اور روحانی نور دنیاوی عیش و آرام اور روحانی سرور دونو ضدیں کبھی اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے ۔ تم خدا اور شیطان دونو کی خدمت بہ یک وقت سر انجام نہیں دے سکتے ۔

دھرم ایک دوسرے کے مخالف نہیں

دوسری بات جو میں نے اپنے گورو دیو سے سیکھی ۔ وہ اس سے بھی زیادہ اہم اور خوبصورت ہے ۔ انہوں نے مجھے یہ نہایت ہی خوشنما صداقت سکھائی ۔ کہ سب دھرم ایک دوسرے کے مخالف نہیں ۔ نہ ان میں ایک دوسرے سے کچھ بہت زیادہ فرق ہی ہے ۔ وہ سب ایک ہی لازوال و لافانی پیرایۂ صداقت دھرم کے مختلف پہلوؤں کو بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ جن میں سے ہر ایک پہلو بذات خود مکمل ہے ۔ یہ قدیم دھرم دنیا میں لامحدود زمانے سے قائم رہا ہے ۔ اور رہیگا ۔ مختلف ممالک میں یہ دھرم مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے ۔ اس لئے ہمیں سب ہی نام نہاد مذاہب کا جو حقیقتاً ۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں ۔ ایک ہی دھرم کے مختلف پہلو ہیں ۔ یکساں طور پر عزت و احترام کرنا چاہیئے ۔ اور جہاں تک

ممکن ہو سکے سبھی کے اصولوں کی پیروی و پابندی کی کوشش کرنی چاہئے

سب مذاہب ایک ہی عالمگیر مذہب کے مختلف پہلو ہیں

محض قومی خصوصیات اور ملکی حالات کی بنا پر ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک بانی مذہب کی ذاتی قوتوں کی مطابقت سے بھی ہر مذہب کی شکل و صورت قائم ہو گئی ہے۔ ایک شخص میں افعال و اعمال کی طرف سے اس کی مسلسل و پیہم رغبت و رجحان کے باعث اگر دھرم طریق عمل میں نمایاں ہوا ہے۔ تو دوسرے میں اسی دھرم نے اس کی خلقی شردھا اور بھگتی۔ عقیدتمندی اور خوش اعتقادی کے باعث بھگتی اور پریم کی صورت اختیار کر لی ہے۔ تیسرے میں وہی راز حق اور تصوف کا پہلو اختیار کر گیا ہے۔ تو چوتھے میں وہی فلسفہ بن گیا ہے۔ اسی طرح اگرچہ ہر ایک مذہب اپنی ظاہری شکل و صورت میں ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ضرور ہو گیا ہے۔ مگر باطنی تعلیم و عملی مقصد سب مذاہب کا ایک ہی ہے۔ اس لئے یہ کہنا سراسر غلط ہوگا۔ کہ صرف فلاں مذہب ہی سچا ہے اور فلاں مذہب سچا نہیں۔ ہمیں اس راز حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک ہی صداقت مختلف صورتوں میں ظاہر ہو سکتی ہیں۔ الگ الگ مقامات اور گوشوں سے دیکھنے پر ایک ہی چیز کی حقیقت و صداقت مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتی ہے۔ یہ امر سمجھ میں آجانے پر پھر ہم کسی بھی مذہب و ملت سے

کوئی مخاصمت یا تعصب نہ رہے گا۔ بلکہ ہر ایک کے عقیدے کے ساتھ دلی ہمدردی پیدا ہو جائیگی ۔

یہ معلوم کر کے کہ دنیا میں ہر شخص کی عادت و خصلت اور ہر شے کی طبعی خصوصیت جدا ہے۔ اس لئے ایک ہی مذہب میں رہتے ہوئے بھی۔ ان کا طریق عمل لازمی طور پر مختلف ہو گا۔ ہمیں ایک دوسرے سے نفرت و حقارت کا خیال ترک کر دینا چاہئے۔ جس طرح کہ مادے کی شکلیں سب مختلف ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ مادہ ایک ہی ہے۔ اور اس کی ان چند روزہ لاپرفانی مختلف دنیاوی صورتوں اور شکلوں کے پس پردہ بھی اس کی چند ایک صفات و خصوصیات ایسی ہیں۔ جو لافانی و دائم قائم ہیں۔ بالکل یہی حالت حضرت انسان کی بھی ہے۔ کیونکہ ایک چھوٹا سا حقیر و ناچیز ذرہ بھی آخر اس وسیع کائنات کا ایک جزو ہے۔ اس لئے اس جزو ناچیز میں کلی کی تمام خصوصیات اور خاصیتیں موجود ہیں۔ خواہ وہ کتنی بھی کم مقدار میں کیوں نہ ہوں۔ اور وہ کسی طرح بھی کبھی زائل نہیں ہو سکتیں۔ اور وہی اس ذرہ ناچیز کی لامحدود آتما ہے۔ جو تمام کائنات عالم میں پھیلی ہوئی لامحدود روح یعنی پرماتما سے کسی حالت میں بھی مختلف نہیں۔ بلکہ حقیقت میں ایک ہی ہے ۔

اس راز کو ہمیں بہت اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ آج اس امر حقیقت کو سمجھنے کی ہی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ ہمارا ملک ہمارا ہندوستان مختلف مذہبوں اور ملتوں نیز مذہبی فرقوں اور جماعتو

کا ایک وسیع گھر ہے۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے جس کسی دماغ میں بھی یہاں کوئی نیا مذہبی خیال پیدا ہوتا ہے۔ وہی اپنے ایک نئے مت کا جھنڈا بلند کر کے اسے فضائے آسمانی پر سب سے اونچے لہرانے کا خواہاں بن بیٹھتا ہے۔

اپنے عالم طفولیت سے ہی مجھے دنیا کے مختلف مذاہب اور ان کی مختلف شاخوں کے متعلق ہر ممکن واقفیت حاصل کرنے کا شوق رہا ہے۔ ہندوستان میں مارمن (نارمن؟) لوگ تک اپنے دھرم کا پرچار کرنے کے لیے پہنچ چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ بھارت کے دروازے سب کے خیر مقدم کے لئے کھلے ہیں۔ بھارت بھومی ہی تو ہر قسم کے دھرم پرچار کے لئے۔ سب سے سریشٹ اور افضل بھومی ہے۔ کیونکہ دھرم کی جڑ یہاں ایک دوسری جگہ کی نسبت زیادہ گہری اور مضبوط جمتی ہے۔

اگر ہندوستان میں تم سیاست و ملکی معاملات کی تعلیم دینے جاؤ۔ تو عام ہندو اسے سمجھ ہی نہ سکیں گے لیکن اگر تم دھرم کے کسی پہلو کا پرچار کرو۔ تو وہ خواہ کتنا بھی عجیب و غریب اور غیر مانوس کیوں نہ ہو۔ ایک نہایت محدود سے عرصے میں ہی تمہارے ہزاروں پیرو اور مرید ہو جائیں گے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے۔ کہ اپنی زندگی میں ہی تمہاری ایک دیوتا کی مانند پرستش ہونے لگے۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے ہندوستان میں

ضرورت بھی اسی کی ہے۔ ہندوؤں کے مت متانتر ہزاروں ہیں۔ اکثر ایک دوسرے کے بہت ہی خلاف بلکہ بالکل متضاد ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر تم ان سے دریافت کرو گے تو وہ سب یہی کہیں گے کہ سب دھرم درحقیقت ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں اور مختلف صورتیں ہیں ؂

"جیسے مختلف ندیاں مختلف پہاڑوں اور پہاڑیوں سے نکلتی ہیں ان میں سے کوئی ٹیڑھی۔ کوئی سیدھی اور کوئی سانپ کی مانند لہراتی ہوئی بہہ کر آخر میں سب کی سب سمندر میں جا کر ایک ہو جاتی ہیں۔ ویسے ہی سب مت متانتر۔ اپنے اپنے مختلف طریقوں سے چلتے ہوئے۔ سے پرماتما! تجھ تک ہی پہنچ جاتے ہیں"۔ یہ صرف ایک مسئلہ ہی نہیں۔ بلکہ اسے ایک امر حقیقت سمجھنا چاہئے۔ لیکن لوگوں کی طرح نہیں۔ جو اپنی فیاضی اور سیر چشمی دکھانے کیلئے یہ کہا کرتے ہیں "ہاں! ہاں! دیگر مذاہب میں بھی کوئی کوئی بات ضرور اچھی ہے"۔ ان میں سے بعض حضرات تو ایسے فیاض ہوتے ہیں۔ کہ وہ اس بات کی بھی ڈینگ مارتے ہیں۔ کہ دوسرے مذاہب مذہبی ترقی اور نشوونما کے دوران میں جاتی ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ترقی اور نشوونما۔ ختم و مکمل صرف ہمارے ہی مذہب پر ہوتی ہے۔ اس لئے صرف ہمارا مذہب مکمل ہے۔ اور باقی سب کے سب مذہب غیر مکمل اور ادھورے ہیں۔ اس لئے ہمارا مذہب سب سے افضل و برتر ہے۔ اور اسی کی پیروی سب پر لازمی ہے ؂

سچا گورو کون بن سکتا ہے؟

ایک صاحب دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہب سب سے قدیم ہے۔ اسی لئے وہ سب سے اچھا ہے۔ دوسرے کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہب سب سے نیا ہے۔ اس لئے وہ اوروں سے بہتر ہے۔ لیکن ہمیں جاننا اور ماننا چاہیئے۔ کہ سب ہی مذاہب انسان کو نجات دے سکتے ہیں۔ آپ نے مندروں اور گرجوں میں باہمی اختلافات کی جو باتیں سنی ہیں۔ وہ سب کی سب ہی جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔ کیونکہ سب کا محافظ اور پرورش کرنے والا تو وہی ایک پرماتما ہے۔ تم میں۔ یا کوئی اور کسی بھی آتما کو رتی بھر نجات نہیں دلا سکتے۔ سب کو نجات اور مکتی دینے دلانے والا تو وہی ایک پرماتما ہے۔ میں یہ نہیں سمجھ سکتا۔ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو خدا پرست اور آستک کہتے ہیں۔ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ پرماتما نے حقیقت کا تمام علم صرف گنتی کے چند ایک انسانوں کو دے کر انہیں ہی دنیا بھر کی نجات کا ٹھیکیدار بنا دیا ہے۔

میری غرض یہ ہے۔ کہ آپ کسی بھی انسان کے عقیدے میں کوئی مداخلت نہ کریں۔ اگر آپ کے پاس کسی کو دینے کے لئے کوئی زیادہ خوبصورت چیز ہے۔ اگر جہاں ایک شخص کھڑا ہے۔ وہاں سے اس اٹھا کر آپ اسے تمام زیادہ بلندی پر لے جا سکتے ہیں۔ تو اس کی کوشش کریں۔ ورنہ جو کچھ

اس کے پاس ہے۔ اس سے بھی اسے محروم نہ کریں۔ سچا گورو صرف وہی ہے
جو ایک منٹ میں اپنے ہزاروں روپ دکھا سکتا ہے۔ سچا گورو وہی ہے
جو اپنے چیلے کے ساتھ چیلا بن سکتا ہے۔ اس کے جسم میں داخل ہو کر
اس کی ہی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اس کے ہی کانوں سے سن
سکتا ہے۔ اور اس کے ہی دماغ سے سوچ سکتا ہے۔ ایک ایسا ہی
گورو کسی کو دھرم سکھا سکتا ہے۔ دوسرا اور کوئی نہیں۔ کھنڈن منڈن
کرنے والے۔ اور دوسروں کے مذہب کو ٹھوکتا ظاہر کرنے والے دھرم
گورو ہیں۔ ان سے دنیا کی کوئی بہتری ممکن نہیں ؛

اسی لئے اپنے گورو دیو کو دیکھ کر میں نے یہ جان لیا۔ کہ اس زندگی
میں بھی ایک انسان درجہ کمال حاصل کر سکتا ہے۔ ان کی پوتر زبان
سے کسی مذہب کے لئے بھی کوئی مذمت کا لفظ کبھی نہیں نکلا۔ نہ انہوں
نے کبھی کسی کی نکتہ چینی یا عیب جوئی ہی کی۔ وہ آنکھیں برائی دیکھ ہی
نہ سکتی تھیں۔ اس دماغ کے لئے کسی کے مذہب کی برائی کا خیال تک
کرنا بھی ناممکن تھا۔ نیکی کے سوا وہ کہیں کچھ بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ
لامحدود پاکیزگی اور یہ حد درجہ کا تیاگ ہی آتم گیان، آتم ذات، حاصل
کرنے کے دو پُر اسرار طریقے ہیں۔ ویدوں کا قول ہے کہ تم زندگی جاوید
کو نہ تو مال و دولت سے ہی حاصل کر سکتے ہو۔ اور نہ اولاد و عیال سے
ہی۔ بقائے دائم تو صرف ترک اور تیاگ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے
عیسیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ بیچ ڈالو۔ فروخت

کر کے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ اور پھر میرے پاس آؤ"۔

قربانی کی عظمت

یہی بات سب بڑے بڑے مذہبی رہنماؤں اور دھاتماؤں نے کہی ہے۔ اور اسی پر انہوں نے تاعمر عمل بھی کیا ہے۔ بغیر قربانی کے آتم گیان کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی لئے ہر جگہ ہر مذہبی اصول کی بنیاد اس ترک اور قربانی پر ہی رکھی گئی ہے۔ جس مذہب میں بھی یہ عنصر کم ہوگا اتنا ہی اس میں نفس پرستی اور شہوت رانی کا عنصر زیادہ ہوگا۔ اس لئے آتم گیان بھی اس میں اتنا ہی کم ہوگا۔ وہ انسان تو جس کا ذکر میں کر رہا ہوں۔ قربانی کا مجسمہ تھا۔ ہمارے ملک میں جو سنیاسی ہیں۔ ان کے لئے مال و دولت اور گھر بار کا ترک لازمی ہے۔ میرے گورودیو نے اس اصول کی لفظ بہ لفظ بلکہ حرف بحرف پیروی کی تھی۔

ایسے شخص بھی سینکڑوں تھے۔ جو انھیں کچھ نذر پیش کر کے اپنے آپ کو خوش قسمت خیال کرتے۔ جو ہزاروں کی تھیلیاں بنا مانگے ہی ان کے قدموں پر نوچھاور کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے لیکن وہ خود ایسے لوگوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ تیاگ کرنے کا سبق ان سے ہی سیکھا جا سکتا تھا۔ دھن مال کی خواہش اور نفس پرستی پر انہوں نے کامل فتح حاصل کر لی تھی۔ آج کل ایسے ہی ترک کی ضرورت ہے۔

جب انسان یہ سمجھنے لگتے ہیں۔ کہ وہ اپنی ضروریات کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔ اور جب وہ ضروریات نہایت تیزی کے ساتھ روز افزوں بڑھتی جا رہی ہیں۔ تب دنیا کو ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو ان منکروں کے سامنے کھڑا ہو کر زبان حال سے یہ کہہ سکے کہ دیکھو! میں تمہاری دولت شہرت۔ جاہ و جلال۔ شہرت و ناموری سب کو ٹھکراتا ہوں اور ان کی رتی بھر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ آپ یقین مانئے کہ دنیا میں ابھی تک ایسے مہاپرش موجود ہیں۔ دنیا ان سے خالی نہیں ؛

زندگی کے دو حصّے

میرے گورو دیو کی زندگی کا پہلا حصہ آتم گیان حاصل کرنے میں صرف ہوا تھا۔ اور باقی حصہ اسے تقسیم کرنے میں۔ جوق در جوق انسان ان کے اپدیش سننے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اور وہ چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے لگاتار باتیں کرنے میں صرف کرتے تھے ــ یہ بھی صرف کسی ایک دن نہیں۔ بلکہ مہینوں تک آپ کا یہ پروگرام تھا حتےٰ کہ اس بے حد محنت و مشقت کے باعث آپکی جسمانی قوت نے جواب دے دیا۔ ہزاروں اشخاص میں سے اگر کسی ادنےٰ سے ادنےٰ شخص نے بھی آپ سے کبھی کسی طرح کی مدد طلب کی۔ تو آپ نے بنی نوع انسان کے لئے اپنی لامحدود محبت کے باعث۔ اسے مدد دینے سے کبھی انکار نہیں

کیا۔ آہستہ آہستہ آپ کے گلے میں ایک مہلک مرض پیدا ہو گیا۔ مگر پھر بھی آپ نے اپنی محنت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہ ہونے دی۔ جونہی آپ سنتے تھے۔ کہ لوگ آپ کے درشنوں کیلئے کھڑے ہیں۔ فوراً ہی اس امر کے لئے اصرار کرتے تھے۔ کہ انہیں اندر آنیکی اجازت دیدی جائے۔ اور پھر ان کے ہر ایک سوال کا جواب دینے لگتے تھے۔

گیانی اور جسم

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ مہاراج! آپ ایک بڑے بھاری یوگی ہیں۔ پھر آپ اپنے جسم کی طرف ذرا توجہ دے کر اپنی بیماری کا خود ہی علاج کیوں نہیں کر لیتے؟ پہلے تو آپ نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اسی سوال کے بار بار دہرائے جانے پر آپ نہایت سنجیدگی سے بولے کہ میرے منتر! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم گیانی ہو گے۔ لیکن تم بھی دنیا داروں کی سی باتیں کہتے ہو۔ یہ من تو ایشور کا ہو چکا ہے۔ اب کیا تم یہ کہتے ہو۔ کہ میں اسے واپس لے لوں؟ اور کیول اس شریر کیلئے! جو میری آتما کا محض ایک ننگا پنجرا ہے۔ اور اس بڑھ کر کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔

دوسروں کے آتم گیان کی عزت

اسی طرح آپ برابر دھرم اپدیش کرتے رہے۔ آخر چاروں طرف یہ خبر پھیل گئی۔ کہ اب تک یہ شری مہاراج بھی تیاگ کرنے والے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اور بھی زیادہ تعداد میں آپ کے پاس آنے لگے۔ آپ اس امر کا قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ کہ ہندوستان میں لوگ کس طرح ان دھرم گوروؤں کے پاس جاتے ہیں۔ اور کس طرح انہیں چاروں طرف سے گھیر کر زندہ دیوتا بنا دیتے ہیں۔ ہزاروں آپ کے دامن کو چھو کر ہی اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ دوسروں کے آتم گیان کی اس طرح عزت کرنے سے ہی اپنا آتم گیان بڑھتا ہے۔ جس شے کی جسے خواہش ہے۔ وہ اگر اس شے کی عزت کرتا ہے۔ تو وہ اسے ضرور ملے گی۔ یہی اصول اقوام و ممالک پر بھی پوری پوری صداقت سے عاید ہوتا ہے۔ اگر ہندوستان میں آپ کوئی سیاسی تقریر کرنے جائیں۔ تو خواہ وہ تقریر کیسی بھی دلکش اور دلفریب کیوں نہ ہو۔ آپ کو بڑی مشکل سے بہت کم آدمی اسے سننے والے ملینگے۔ لیکن ذرا جا کر دھرم کے کسی مسئلہ پر آپ تقریر کریں۔ مگر وہ صرف تقریر ہی نہ ہو۔ بلکہ اس پر سچے دل سے آپ کا عمل بھی ہو۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر آپ کے قدم چومنے کی بھی کوشش کرینگے۔ اور آپ کو دیوتا کی طرح پوجیں گے ؛

آخری ایام زندگی

چنانچہ جب لوگوں نے یہ سنا کہ میرے گرودیو کی پوتر آتما ان کا شریر تیاگ کرنے والی ہے۔ تو وہ اور بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کے پاس جانے لگے۔ اور وہ اپنی صحت کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کر کے انہیں برابر اپدیش دیتے رہے۔ ہم انہیں اس کام سے کسی طرح بھی نہ روک سکے اکثر لوگ تو بہت بڑی دور دور سے آتے تھے۔ اور جب تک وہ اپنے سوالات کا پورا پورا جواب نہ پا لیتے تھے۔ چین سے نہ بیٹھ سکتے تھے وہ کہتے تھے۔ کہ جب تک مجھ میں بولنے کی طاقت ہے۔ میں انہیں ضرور اپدیش کروں گا۔ چنانچہ اسی کے مطابق عمل بھی کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ہم سے کہا۔ کہ آج ہم یہ شریر چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ہمارے گرو بھائیوں کے بیچ تخت پر بیٹھے ہوئے انہوں نے اس لوک کو تیاگ دیا ۞

ان کے خیالات اور ان کا پیغام جن لوگوں تک پہنچے۔ ان میں سے ایسے اشخاص بہت ہی کم تھے۔ جن میں ان کے پیچھے بھی کچھ قابلیت تھی۔ مگر پھر بھی بے شمار دیگر اصحاب میں سے چند ایک ایسے نوجوان بھی ان کے پیچھے تھے۔ جو دنیا ان کے سامنے ہی ترک کر چکے تھے۔ اور جو ان کے کام کو برابر جاری رکھنے کے لئے تیار تھے۔ ان کا حوصلہ بہت

کرنے کی بہت کچھ کوششیں کی گئیں لیکن وہ اس مہاپرش کی زندگی کے آدرش سے حوصلہ پاکر اپنے کام پر مستقل مزاجی سے ڈٹے رہے۔ اس مہاتما کے تعلق کے باعث سے ہی انھوں نے میدان عمل سے منہ نہ موڑا۔ یہ لوگ سچے سنیاسی تھے۔ کلکتے کی ہی گلیوں میں جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔ وہ بھیک مانگ کر اپنا گذارا کیا کرتے تھے اگرچہ ان میں سے کئی ایک بڑے بڑے مالدار گھروں کے چشم چراغ تھے۔ مگر انہوں نے اس بات کی کچھ پروا نہ کی۔

پہلے انہیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن وہ آہستہ آہستہ روز بروز کامل مستقل مزاجی سے تمام ہندوستان میں اپنے گورو کا پیغام پہنچاتے رہے۔ حتےٰ کہ تمام ملک ان کے خیالات سے بہرہ ور ہوگیا۔

غرضیکہ بنگال کے ایک دور دراز موضع کے اس باشندے نے بغیر کوئی خاص تعلیم پائے اپنی زبردست قوت ارادی کی طاقت سے اس طرح حقیقت کا احساس کرکے دوسروں پر اس کا اظہار کیا۔ اور آخر میں اس کا پرچار کرنے کے لیے وہ چند ایک نوجوانوں کو بھی چھوڑ گیا۔

آج سری رامکرشن پرم ہنس کا نام ہندوستان اور اس کے کروڑوں باشندوں میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس مہاپرش کی طاقت ہمارے ملک کی حدود کو بھی عبور کر چکی ہے۔ اور اگر دنیا میں کہیں صداقت اور آتم گیان کا ایک لفظ بھی میری زبان سے نکلا ہے۔ تو اس کے لئے میں اپنے گورو دیو کا ہی

زیر بارِ منت اور ممنون احسان ہوں۔ اور جو غلطیاں ہوئی ہیں۔ وہ سب میری اپنی ہیں ؛

سوامی رام کرشن پرم ہنس جی کا پیغام

موجودہ دنیا کے لئے سوامی رام کرشن پرم ہنس جی کا یہ پیغام ہے۔ کہ مسئلہ مسائل۔ قدیم خوش اعتقادی۔ مت متانتر۔ گرجے مندر۔ کسی کی بھی فکر نہ کرو۔ انسانی زندگی کا حقیقی جوہر آتم گیان ہے۔ اس کے سامنے ان سب چیزوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ بنی نوع انسان میں آتم گیان کی جتنی بھی ترقی ہوگی۔ اتنا ہی دنیا کا اپکار بھی زیادہ ہوگا۔ اس لئے آتم گیان حاصل کرو۔ اور کسی دوسرے مت متانتر پر کبھی نکتہ چینی نہ کرو۔ کیونکہ سبھی دھرموں اور متوں میں کچھ نہ کچھ بھلائی ضرور ہے۔ اپنی زندگی کے عمل سے یہ ظاہر کردو۔ کہ دھرم کے معنی صرف الفاظ و فقرات کا مجموعہ نہیں۔ اور نہ کسی مذہب یا سمپردائے کا نام ہی دھرم ہے۔ بلکہ دھرم کے معنی سچے دھرم گیان کے ہیں۔ جنہوں نے اسے حاصل کر لیا ہے۔ وہی دھرم کے راز کو سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں آتم گیان حاصل ہو چکا ہے۔ وہی دوسروں کو بھی اس سے مستفیض کر سکتے ہیں۔ اور وہی بنی نوع انسان کے حقیقی گورو بن سکتے ہیں۔ وہ ہی نور و جلال کی سچی طاقت و قوت ثابت ہونگے ؛

کسی ملک میں اس قسم کے جتنے بھی مہاپرش پیدا ہوں گے ۔ اتنا ہی وہ ملک ترقی کر سکے گا ۔ جس ملک میں ایسے مہاپرش بالکل بھی پیدا نہیں ہوتے ۔ اس کی تباہی و بربادی یقینی ہے ۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کی حفاظت نہیں کر سکتی اس لئے بنی نوع انسان کے لئے میرے گورو دیو کا پیغام یہی ہے ۔ کہ آتم گیانی ہو ۔ اپنی آتما کی حقیقت پہچانو ۔ اور اس کا علم حاصل کرو ۔ یہی صداقت ہے ۔ اسی کا تمہیں پہلے ذاتی تجربہ ہونا چاہئے ۔ پھر اپنے بھائیوں کے لئے تیاگ اور ذہن کی سپرٹ اپنے دل میں پیدا کرو ۔ ان کے پریم کی لمبی چوڑی باتیں بنانا چھوڑ دو ۔ بلکہ جو کچھ تم کہتے ہو ۔ اسے عملی طور پہ کر دکھاؤ ۔ اب تیاگ اور علم حقیقت کے جوہر دکھلانے کا زمانہ آگیا ہے ۔ دنیا کے سامنے مختلف مذاہب کی تہذیب اسی وقت رونما ہوگی ۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو جائیگا ۔ کہ کسی سے عداوت یا خصومت رکھنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ۔ تب ہی تم بنی نوع انسان کی کچھ حقیقی خدمت سر انجام دے سکو گے ۔

سوامی جی کی زندگی کا حقیقی مقصد

میرے گورو دیو کی زندگی کا حقیقی مقصد یہ تھا ۔ کہ سب دھرموں کی حقیقت اور ماہیت کو اچھی طرح معلوم کر کے ان کی اندرونی یگانگت و وحدت کو اچھی طرح سمجھا جائے ۔ اور ظاہر کیا جائے ۔ دوسرے دھرم گوروؤں نے اپنے

اپنے نام سے خاص مذاہب کی بنا رکھی ہے - لیکن انیسویں[19] صدی کے اس مہاپرش نے اپنے لئے کسی بات کی خواہش نہیں کی - انہوں نے کسی بھی دہرم میں مداخلت نہیں کی - کیوں وہ یہ سمجھ چکے تھے - کہ سبھی مذہب ایک لازوال و لافانی سناتن دہرم کے مختلف روپ ہیں ⁂

دوسرا لیکچر

سرب وِیاپک پرماتما

ہماری زندگی کو ایک بڑا خطرہ بُرائیوں سے ہے [illegible] بُرائیوں
کا مقابلہ خواہ ہم کتنی ہی مستقل مزاجی سے کریں لیکن وہ [illegible]
ہوتی ہیں۔ ہم روزانہ سے انہیں [illegible]
ہیں لیکن ان کی حالت بھی [illegible]
جتنی بھی ان بُرائیوں سے بچنے کی ترکیبیں ہم سوچتے ہیں [illegible]
لطیف ہو گئی ہیں اور آگئی ہیں [illegible]
سے بچنے کا ایک واحد ذریعہ [illegible]
اور پوجا پر زور دیتے ہیں ۔

مختلف مذاہب کی تعلیم

سب ہی مذاہب ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں۔ کہ اگر آج کل کے مادہ پرستوں کی مانند ہم اس نظر آنیوالی دنیا کو ہی حقیقی دنیا سمجھ بیٹھیں گے۔ تو دنیا میں سوائے بدی کے اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ لیکن دھرم یہ بتلاتا ہے۔ کہ اس نظر آنیوالی دنیا کے پس پردہ بھی کچھ اور ہے۔ ہمارے حواسات خمسہ کے ذریعہ لطف اندوز ہونیوالی ہماری یہ موجودہ زندگی۔ ہماری حقیقی زندگی کا ایک بہت ہی چھوٹا سا حصہ ہے۔ اس کے پس پردہ وہ لامحدود طاقت ہے۔ جس میں کوئی بھی بدی نہیں۔ اور جس کو گاڈ۔ اللہ۔ پرماتما۔ یہووا وغیرہ وغیرہ بے شمار ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ویدانتی اسے ہی برہم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہماری موجودہ زندگی تو بہرحال ہے ہی۔ اس میں شک بھی کیا ہے؟

مختلف مذاہب کی تعلیم کا اثر

مختلف مذاہب جو تعلیم دیتے ہیں۔ اس سے پہلے تو یہی اثر پڑتا ہے کہ کسی طرح اس موجودہ زندگی کا ہی خاتمہ کر دیں۔ مگر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس زندگی کی بدیوں کی اصلاح کیسے ہو؟ اس کا جواب خود بخود یہ

ملتا ہے۔ کہ اس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ اس جواب کا خیال آتے ہی مجھے ایک پرانی کہانی یاد آجاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص کی پیشانی پر ایک مچھر آ بیٹھا۔ اس کے دوست نے اسے اڑانے کی خواہش سے اس کے ماتھے پر ایسا ڈنڈا مارا کہ انسان اور مچھر دونوں ہی مر گئے۔ زندگی کی چند بدیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے یہ ترکیب بھی بالکل ویسی ہی ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ زندگی گناہوں سے پُر ہے۔ اور دنیا پاپوں کا گھر ہے۔ اور یہ ایک ایسی صداقت ہے۔ جس سے کوئی بھی تجربہ کار شخص انکار نہیں کر سکتا ۔

گناہوں سے بچنے کی ترکیب

لیکن یہ مختلف دھرم گناہوں سے بچنے کی کیا ترکیب بتلاتے ہیں؟ یہی کہ یہ دنیا سرائے فانی اور غیر حقیقی ہے۔ اسکے پس پردہ جو کچھ ہے وہی اصل حقیقت ہے۔ لیکن یہی تو تمام بحث و تجسس کی بنیاد ہے۔ کہ وہ کچھ کیا ہے۔ اس علاج سے تو زندگی ہی تباہ ہو جائیگی۔ مگر پھر بھی سوائے اس کے علاج ہی کیا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ تو کیا اس کا کچھ بھی علاج نہیں؟ ہے کیوں نہیں! اسے بھی ذرا دیکھ لیجئے!

ویدانت کا قول ہے۔ کہ جو علاج ان برائیوں اور گناہوں سے بچنے کا دیگر تمام مذاہب بتلاتے ہیں۔ وہ ہی سراسر ٹھیک ہے۔ لیکن اس

کے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ یہ تمہاری عقل کا پھیر ہے۔ اس علاج کو اچھی طرح صاف الفاظ میں سمجھا کہ نہیں کہا گیا۔ اسی لئے اکثر اس کے غلط معنی لگا لئے جاتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ دل و دماغ برابر ایک ہی طرح کام کرتے رہیں۔ لیکن دل درحقیقت دماغ کی نسبت بڑا ہے۔ زندگی کے راستے پر آگے بڑھنے کے لئے جوصلہ افزائی کرنے والے خیالات ہمارے دل سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مجھے اگر ذرا بھی دل نہ دیکر صرف دماغ ہی دیا جائے۔ تو میں اس دماغ کی کچھ بھی پرواہ نہ کرکے ایک چھوٹا سا دل لینا ہی زیادہ پسند کرونگا۔ جس کے پاس صرف دل ہے اس کے لئے زندگی اور ترقی دونوں ہی ممکن ہیں۔ لیکن جس کے پاس صرف دماغ ہی دماغ ہے۔ وہ بے لطفی کے باعث جلد ہی مر جائیگا۔

مگر ہم اس امر سے بھی ناواقف نہیں۔ کہ جو شخص صرف اپنے دلی خواہش کے مطابق ہی کام کریگا۔ اسے بے شمار مشکلات کا مقابلہ درپیش آئیگا۔ اس کے لئے بھی قدم قدم پر گڑھوں میں گرنا ناممکن نہیں۔ ضرورت ہے ہمیں دل و دماغ کے باہمی تعاون کی۔ اس سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس قسم کی مصالحت کے لئے وہ کوئی چھوٹا سا دل یا چھوٹا سا ہی دماغ رکھے۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق دل جذبات اور دماغ و عقل رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ سب چیزیں خلقی بھی زبردست مضبوط۔ طاقتور اور وسیع ہوں تو ہر انسان کے اپنے اور تمام بنی نوع انسان بلکہ سب جانداروں کے لئے اچھا ہے۔

سب سے بڑی غلطی

ہماری خواہشات کی کیا کہیں کوئی حدبندی ہو سکتی ہے ؟ کیا یہ دنیا بھی لامحدود نہیں ؟ اس لئے یہاں لامحدود جذبات اور لامحدود عقل کیلئے بھی بہت کافی میدان ہے ۔ ان سب کو اکٹھا ہونے دو ۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے دو ۔ اس امر کو بہت سے مذہب نہایت اچھی طرح جانتے ہیں ۔ اور اسے نہایت صاف اور زوردار الفاظ میں کہتے بھی ہیں ۔ لیکن پھر بھی وہ سب ایک ہی بھول کرتے ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ اپنے دل اور اپنے جذبات کے باعث وہ اپنی راہ حقیقت کو بھول جاتے ہیں دنیا میں گناہ اور بدی ہے ۔ اس لئے اسے ترک کر دو ۔ بلاشبہ سب مذاہب کی یہی تعلیم ہے کہ دنیا کو چھوڑ دو ۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں ۔ کہ صداقت کی پیروی کے لئے ہمیں کذب کو چھوڑنا ہو گا ۔ نیکی اختیار کرنے کیلئے بدی ۔ اور زندگی کیلئے موت کا خیال چھوڑنا ہی پڑیگا ۔ لیکن زندگی سے کیا مراد ہے ؟ جیسی زندگی ہم اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں اور جیسی محسوسات کی غلامی کی زندگی ہم بسر کرتے ہیں ؟ اگر اس اصول کے مطابق اس زندگی کا ہی ہم نے خاتمہ کر دیا ۔ تو پھر رہ ہی کیا جاتا ہے ؟ بلاشک وشبہ اس زندگی کا خاتمہ کر دینے پر دنیا میں پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا ۔ اس لئے یہ سب سے بڑی غلطی ہو گی ۔

پھر ہم کیا کریں؟

اس سوال کو ہم اسوقت اور بھی اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ جب ہم ویدانت کے دیگر گہرے اور فلسفہ آمیز مسائل پہ خوب اچھی طرح غور کر لینگے۔ مگر فی الحال میں صرف یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس معمہ کا حل اور اس سوال کا قابل اطمینان جواب صرف ویدانت میں ہی ہے وہی اس سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دے سکتا۔ میں اس سلسلہ میں آپ کے سامنے ویدانت کی تعلیم بیان کرتا ہوں جس کا لب لباب یہ ہے کہ اس دنیا کو پرماتما سے پر سمجھا جائے۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ سمجھ لو۔ کہ پرماتما اس دنیا میں سرب وریاپک یا ہر چیز میں بسا ہوا ہے۔

ویدانت درحقیقت اس جہان کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ترک اور تیاگ کے اس نصب العین نے ویدانت سے زیادہ بلند مرتبہ اور کہیں بھی نہیں پایا۔ مگر پھر بھی ویدانت یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتا کہ بدمزگی و بے لطفی کے ساتھ خودکشی کر لی جائے۔ اس کی تعلیم یہ ہے۔ کہ سنسار کو پرمیشور یعنی پرم سے بھرا ہوا دیکھو! یہ دنیا جیسی نظر آتی ہے۔ جسے تم عالم حقیقت سمجھتے ہو۔ اسے بھول جاؤ! اور حقیقی عالم حقیقت کو پہچانو! جو پرم سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ذرے ذرے کو سرب وریاپک پرم سے پر دیکھو! ویدانت کے مضمون پر تحریر شدہ کتابوں میں سب سے

قدیم آپ نشد کے شروع میں بھی آتا ہے۔ کہ "اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے اور جہاں کہیں بھی ہے۔ وہ سب ہی برہم ہے یعنی برہم سے پُر ہے"۔ بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں پر بھروسا کر کے نیز بدی اور بُرائی کی طرف سے آنکھ بند کر کے نہیں بلکہ دنیا کی ہر ایک چیز میں ایشور کی طاقت اور اس کی ہستی کو حاضر ناظر سمجھ کر ہمیں تمام سنسار کو برہم سے بھرا ہوا دیکھنا چاہیئے۔ اور اس طرح ہمیں سنسار کا تیاگ کر دینا چاہیئے۔ سنسار تیاگ دینے کے بعد کیا رہ جائیگا؟ برہم! صرف برہم!

اِسکے معنی کیا ہوئے؟

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اپنی بیویوں کو چھوڑ دو تاکہ وہ من مانے رستے پر چلنے کیلئے آزاد و بیباک ہو جائیں۔ نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ تم انہیں رکھو! لیکن انہیں پرماتما سے خالی نہ سمجھو۔ بلکہ ان میں بھی پرماتما کی ہستی کو موجود دیکھو! اسی طرح اس کے معنی یہ بھی ہرگز نہیں کہ تم اپنے بال بچوں کو ترک کر دو! انہیں گلی میں پھینک دو۔ اور جانوروں کی مانند ادھر ادھر پھرنے دو۔ یہ دھرم نہیں۔ انسانیت کے درجے سے گرا ہوا بلکہ اس سے بھی زیادہ ذلیل حیوانیت کا فعل ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بچوں میں بھی پرماتما کی طاقت اور قدرت کا کرشمہ دیکھو۔ دنیا کی سب چیزوں میں پرماتما کو دیکھو۔ جینے میں۔ مرنے میں سب کہیں۔ دکھ میں۔ اندوہ

ناداری میں - جاہ و ثروت میں - ہر وقت و ہر حال میں دنیا کو برہم سے بھری ہوئی محسوس کرو! اس لئے اس دنیا کو جسے تم نے اپنی کمزوری سے محض وہمی اور قیاسی سمجھ رکھا ہے - ترک کر دو! آنکھیں کھولو! اور اس برہم کو پہچانو! یہی ویدانت کی تعلیم ہے ؎

تمہارا تجربہ نامکمل ہے - تمہاری عقل غیر پاکیزہ ہے - اس لئے اپنی کمزوریوں سے پیدا ہوئی دنیا کو نظر انداز کر دو! اور آنکھیں کھول کر یہ دیکھو - کہ وہ سنسار تو تمہارا کبھی تھا ہی نہیں یہ تو محض صرف مایا! جو درحقیقت سب جگہ موجود تھا - وہ تھا برہم! بچوں میں - استری میں - پتی میں - بھلائی میں - برائی میں - ہتیاروں میں - پاپی میں - عذاب میں - ثواب میں - زندگی میں - موت میں - سب میں ایک برہم ہی بسا ہوا تھا اور اب بھی رہا ہوا ہے ؎

ویدانت کا مقصد

یہ ہی ایک زبردست طریقہ ہے - اس عظیم الشان مسئلہ کو جتی ویدانت ثابت کرنا چاہتا ہے - اسی کی حقیقت وہ آپ کو دکھلانے کا خواہاں ہے زندگی کی مصیبتوں اور صعوبتوں سے ہم صرف اسی طرح چھٹکارا پا سکتے ہیں اس لئے کسی شئے کی خواہش نہ کرو! ہماری تکلیفوں اور مصیبتوں کی جڑ کیا ہے ؟ ہماری خواہشات! ہم کسی شئے کے پانے کی خواہش کرتے ہو -

تمہیں وہ نہیں ملتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے نہ ملنے سے تمہارا دل بیقرار و مضطرب ہو اٹھتا ہے۔ لیکن جب ہم اپنی تمام خواہشات کو بھی ترک کر دینگے۔ تب کیا ہوگا؟

دیواروں کو کبھی تم نے کوئی خواہش کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا انہیں بھی تم نے کبھی غمگین اور اداس پایا ہے؟ نہیں! وہ کبھی کسی طرح کی کچھ ترقی بھی تو نہیں کر سکتیں؟ اس کرسی میں کہیں کسی خواہش کا نام تک نہیں۔ وہ کبھی آزردہ اور افسردہ بھی تو نہیں ہوتی؟ بلکہ ہر حال میں کرسی ہی بنی رہتی ہے۔ کبھی کرسی سے کوئی چ نہیں بنجاتی۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ سکھ میں بھی شان ہے۔ اور دکھ میں بھی! برائی اور بدی بھی فائدے سے خالی نہیں! مصیبت اور اذیت سے جو تعلیم ہمیں حاصل ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت و عظمت کون نہیں جانتا؟

اپنی زندگی میں ہم سے بے شمار ایسے فعل سرزد ہوئے ہیں اور ہوں گے جن کے متعلق ہمارا دل بار بار یہ کہتا ہے کہ کاش ہم نے نہ کئے ہوتے! مگر باوجود اس کے ان کی بدولت ہمیں ایسی بیش قیمت تعلیم حاصل ہوتی ہے جو اور کسی طرح ملنی محض ناممکن ہے!

اپنی ذات خاص کیلئے تو میں یہ کہہ کر مطمئن ہوں۔ کہ میں نے کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔ اور کچھ برے بھی! کچھ صحیح بھی۔ اور کچھ غلط بھی! ہر ایک غلطی سے بھی مجھے کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل ہوئی ہے۔ غرضیکہ میری موجودہ ہستی میرے تمام گذشتہ اعمال و افعال کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ

اس کے ہر ایک کام اور فعل کا ضرور کچھ نہ کچھ اثر انسان پر پڑتا ہے۔ میری اس ترقی کا ہی یہ کرشمہ ہے۔ کہ میں اپنی زندگی کے راستے پر ہنستا اور مسکراتا ہوا آگے قدم بڑھائے چلا جاتا ہوں ؛

مگر اب یہ معمہ اور بھی مشکل ہو گیا ــــ ہم سب ہی یہ جانتے ہیں۔ کہ خواہشات بُری ہیں۔ لیکن ان خواہشات کے ترک کر دینے کا مطلب کیا ہے ؛ انہیں چھوڑ دینے سے زندگی کیسے بسر ہو سکتی ہے ؟ یہ تو کچھ ویسا ہی علاج ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کے معنی یہ نہیں۔ کہ تم مال و دولت کچھ بھی نہ رکھو۔ بلکہ اپنی سب خواہشات سیر ہونے دو۔ مگر صرف وہی اشیا نہ رکھو جو صرف عیش و عشرت کے لئے ضروری ہوں۔ یا وہ اشیا ہی نہ رکھو جو تمہیں پسند ہوں۔ بلکہ ان اشیا کو بھی رہنے دو جو تمہیں کسی قدر ناپسند بھی ہوں۔ صرف صداقت کو معلوم کر دو اور اس حقیقت کا تجربہ کرو۔ کہ یہ دھن دولت کسی کے نہیں۔ ان کی ملکیت اور حق کا خیال چھوڑ دو۔ اور یہ سمجھو کہ تم اس کے کوئی نہیں۔ نہ میں کوئی ہوں اور نہ کوئی اور ہی ان کا کچھ ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ پرماتما کا ہی ہے۔

پرماتما کو سب میں دیکھو

اپنشد کے مذکورہ بالا

منتر میں یہی بتلایا گیا ہے۔ کہ سب چیزوں میں پرماتما کو دیکھو

جو خواہش تمہارے دل میں اٹھتی ہے۔ اس میں بھی وہی پرماتما ہے۔ اس خواہش کے زیر اثر جو اشیا تم خریدتے ہو۔ ان میں بھی وہی پرماتما ہے۔ تمہاری خوبصورت پوشاکوں اور زیورات میں بھی وہی ہے۔ اسی طرح تمہیں ہر شے کے متعلق یہی خیال کرنا چاہیئے۔ جب تم دنیا کو اسطرح دیکھنے لگوگے۔ تب ہر چیز کی شکل وصورت کچھ اور ہی ہو جائیگی۔ اگر تم اپنے کپڑوں میں اپنی بات چیت میں۔ اپنے جسم میں۔ اپنی شبیہ میں۔ غرضیکہ ہر شے اور ہر چیز میں پرماتما کو دیکھنے کے عادی ہو جاؤگے۔ تو تمہارا دل کچھ اور ہی ہو جائے گا۔ اور یہ دنیا تمہیں دکھ اور مصیبت کا گھر دکھائی دینے کی بجائے سکھ اور آرام کی جگہ اور دوزخ کی بجائے بہشت و جنت معلوم ہونے لگے گی۔

حضرت مسیح کا قول ہے۔ کہ "پرماتما کی سلطنت تمہارے اندر ہے" ویدانت بھی یہی کہتا ہے۔ ماسوا ان کے دیگر تمام مہاپرشوں نے بھی یہی صداقت بیان کی ہے۔ حضرت مسیح نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ "جس کے آنکھیں ہیں وہ دیکھے اور جس کے کان ہوں وہ سنے" ویدانت نے اس مسئلہ کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔ ساتھ ہی اسکے اس نے یہ بھی پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ کہ جس حقیقت کی ہم تلاش میں ہیں۔ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اپنی لاعلمی اور غلطی سے ہم یہ سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ ہم نے اسے کھو دیا ہے۔ ہر طرح کی آفتیں اور مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے دنیا بھر میں ہم اس کی تلاش کرتے اور اس کی جستجو میں بھٹکتے اور روتے چلاتے

پھرے۔ مگر وہ حقیقت ہمارے پردہ دل میں ہی پوشیدہ تھی کسی شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

وہ مرے دل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
پردہ غفلت کا پڑا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دیر سے کعبہ الگ ہے یہ سمجھتا میں رہا
دیر میں کعبہ میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
میں نے ہر بُت کو خدا سے ہی جدا سمجھا تھا
بت میں بھی نور خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

ترکِ دُنیا کی حقیقت

اس لئے تمہیں بھی راز حقیقت کو سمجھ کر اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ اگر ترک دنیا کوئی حقیقت ہے۔ اور ہم اس کے وہی پرانے اور بھدے معنی سمجھتے ہیں جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ تب تو ہمیں سست و کاہل بنکر مٹی کے مادھو کی طرح کچھ بھی کام نہ کرنا چاہیئے۔ پورے پورے قسمت پرست بن کر ہمیں نہ کچھ سوچنا ہی چاہیئے۔ اور نہ اپنے ہاتھ پیر ہی ہلانے چاہئیں۔ سُستی کے غلام بن کر یہی سمجھنا چاہیئے کہ قدرت کے اصول جو بھی چاہیں گے۔ ہم سے خود بخود کرا لینگے۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ ہم ادھر سے اُدھر بھٹکتے اور جہاں تہاں ٹھوکریں کھاتے

پھر بیگے۔ لیکن حقیقتاً اس کا یہ مطلب و منشا ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ ہمیں دنیا میں رہتے ہوئے۔ اپنا کام تو ضرور کرنا چاہئیے۔ مگر اپنی خواہشات کا غلام ہرگز نہیں بننا چاہئیے۔ کیونکہ اپنے جذبات و خواہشات کی ترغیب کے زیر اثر جو لوگ کام کرتے ہیں۔ وہ کام کرنا ہی نہیں جانتے۔ کام تو حقیقتاً وہی کرتا ہے۔ جو اپنی خواہشات اور اپنے نفع و نقصان کے خیالات کے ماتحت نہیں۔ کام وہی کرتا ہے۔ جس کا کوئی اندرونی اور ذاتی مقصد نہیں ہوتا۔ جسے اپنے کسی فعل سے اپنے لئے کسی منفعت کا کوئی خیال نہیں ستاتا۔

ایک تصویر دیکھ کر کون شخص سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے؟ تصویر فروش یا خریدار؟ تصویر فروش کا خیال تو اپنے حساب کتاب اور نفع و نقصان کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس کے دماغ میں تو اور کسی بات کیلئے گنجائش ہی نہیں۔ اس کی توجہ تو نیلام کرنے والے کے ہتھوڑے اور بولی دینے والوں کی آوازوں کی طرف ہے۔ وہ صرف یہی دیکھ رہا ہے۔ کہ بولیاں کیسی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہیں۔ خریدار کو ارزاں سے ارزاں قیمت پر خریدنے کا فکر دامنگیر رہتا ہے۔ تصویر کی خوبصورتی کا لطف تو صرف وہ لے رہا ہے جو وہاں خریدنے یا فروخت کرنے کی خواہش سے نہیں گیا۔ وہی تصویر کو دیکھتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کائنات عالم بھی ایک نہایت خوبصورت و دلفریب تصویر ہے۔ خواہشات کے مٹ جانے پر ہی انسان اس کی حقیقی خوبصورتی و دلفریبی کا لطف حاصل کر سکتا ہے۔ تب ہی اس خرید و فروخت اور میرے تیرے کے خیال کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے

اس وقت دھن دولت دینے والا ساہوکار چلا جائیگا ۔ اور خرید و فروخت کرنے والے بھی چلے جائینگے ۔ ہمارے تمہارے کا یہ چھوٹا خیال اور ملکیت کے خبط کا بھی خاتمہ ہو جائیگا ۔ اور سنسار کی صرف یہ خوبصورت اور دلفریب تصویر ہماری نظر کے سامنے باقی رہ جائیگی ۔

پرماتما اور شاعر

مندرجہ ذیل الفاظ سے بہتر تخیل ایشور کے متعلق میں نے اور کہیں نہیں دیکھا ۔" پرماتما سب سے قدیم شاعر ہے ۔ ابتدائے عالم کا اولین شاعر ہے ۔ یہ تمام دنیا ۔ یہ کائنات اس کی ایک بسیط و ضخیم نظم ہے جو عروض و قافیہ ۔ وزن اور سُر کے ساتھ ہر طرح مکمل کر کے لامحدود جذبات کے رس میں شرابور کر کے لکھی گئی ہے "۔ اپنی خواہشات کو فنا کر دینے کے بعد ہی ہم ایشور کی اس لاجواب و لاثانی شاعری اور نظم کا مطالعہ کر کے اس کا پورا پورا لطف لے سکیں گے ۔ تب ہی ہمیں ہر جگہ پرماتما نظر آئینگے ۔ اسی وقت ذرے ذرے میں ہمیں ان کا نور پُر سرور دکھائی دے گا گلی کوچے میں ۔ کونے کونے میں ۔ بلکہ ایسے تنگ و تاریک گوشوں میں بھی جنہیں ہم اب تک قابل نفرت خیال کرتے رہے ہیں ۔ ہمیں اس پرماتما کی اپار چھوی نظر آئیگی ۔ اور ان کی حقیقی قدرت کا جلال ہماری آنکھوں میں چکا چوند سی پیدا کر دیگا ۔ اسوقت ہم یہ محسوس کرینگے کہ ہمارا سب گانا او

رونا محض بچوں کا ایک کھیل تھا۔ اس وقت ہمیں اپنی حرکات و سکنات پر خود ہنسی آئیگی۔ اور ہم سمجھیں گے کہ ہم تو ابتدائے آفرینش سے ہی ماورا ازل کی قدرت و کاریگری کا یہ دلفریب تماشہ دیکھ رہے تھے۔ مگر ہماری چشم بصیرت وا نہ تھی ۔

متھیا مایا روپ سنسار کا تیاگ

ویدانت بتاتا ہے۔ کہ دنیا میں رہتے ہوئے تم کس طرح کام کرو؟ وہ کہتا ہے کہ تیاگ کرو! اس متھیا مایا روپ کا تیاگ کرو! لیکن اس کے معنی کیا ہیں؟ وہی جو کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ یعنی اس دنیا کی طرف کچھ توجہ نہ دو۔ کہ اس میں پرماتما کو دیکھو! دنیا کی ہر ایک چیز میں پرماتما کے درشن کرو! ذرے ذرے میں اس کا دیدار موجود ہے۔ اس سے فیض یاب ہوتے ہوئے سو سال تک جینے کی خواہش کرو! اگر چاہو۔ تو دنیا کے عیش و آرام بھی سب تمہارے لئے حاضر ہیں۔ ان سے بھی شاد کام ہو! لیکن ان میں اتنے نہ پھنسو۔ کہ پرماتما کو بھول جاؤ! بلکہ ہر ذات اس کے ہر رنگ میں اور ہر روپ میں۔ ہر حالت میں اور ہر مقام پر پرماتما کا جلوہ دیکھو! اس طرح اس دنیا کو بہشت اور جنت بنا کر اس میں سو سال تک زندہ رہنے کی خواہش کرو! دنیا میں آرام و عیش ... کی زندگی بسر کرنے کی خواہش کو اپنے دل میں جگہ دو! اگر تم نے نفس و تمول

کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور دوسرا راستہ نہیں ہے۔

راز حقیقت سے لاعلمی کا نتیجہ

مگر اس راز حقیقت سے لاعلمی کے باعث ایک شخص تو جھوٹے عیش و عشرت کی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے۔ اور اپنا سیدھا سچا راستہ بھول کر ادھر ادھر بھٹکنے لگتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی نادانی و جہالت سے مصیبت میں پھنسا ہوا دنیا کو گالیاں دیتا ہے۔ اور طرح طرح کی اذیتیں جھیلتا ہے۔ دوسرا جنگلوں کی خاک چھانتا ہے۔ فاقہ کشی کر کر کے اپنے جسم کو سکھا ڈالتا ہے۔ اپنے دل کو صحرائے اعظم کی مانند خشک اور بے رس بنا کر اپنے تمام پاکیزہ تخیلات و جذبات کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ خود اذیت پسند نہایت پر خوف اور ہیبت ناک بن جاتا ہے۔ وہ بھی راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ سیدھا راستہ اسے بھی نہیں ملا۔ یہ دونوں ہی انتہائی حدود ہیں۔ اور دونوں ہی غلط ہیں۔ دونوں ہی گم کردہ راہ ہیں۔ اور سیدھے راستے سے بھٹک کر دور بہت دور جا پڑے ہیں۔ پرماتما ہی ان پر کرپا کریں۔ تو یہ راہ راست پر آئیں ۔

پرماتما تم سے الگ کہیں نہیں

ویدانت کہتا ہے۔ کہ دنیا کی تمام اشیا میں پرماتما کے نور و جلال کو

دیکھتے اور پہچانتے ہوئے کام کرو۔ اپنی زندگی کو برہم سے۔ پرماتما کے خیال اور اس کی ذات وصفات سے پر۔ بلکہ اسی کی مانند بے عیب سمجھ کر۔ شب و روز کام میں مصروف رہو۔ پرماتما کو سرب ویاپک سمجھ کر سبھی خواہشات اور سبھی فعل اس کیلئے سر انجام دو۔ اپنے سے الگ اسے تم کہاں پا سکو گے؟ ہر کام میں۔ ہر خیال میں۔ اپنے ہر جذبے میں اسی برہم کو حاضر ناظر سمجھو اور اس طرح سمجھتے ہوئے بھی ہر وقت کام میں مصروف و مشغول رہو۔ اس کے سوا اسے پانے کا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ اسی طرح ہم اپنے کرموں کے نتائج اور انکی قیود اور زنجیروں سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور تمہارے افعال و اعمال کے عیب و ثواب تمہیں کوئی بھی نقصان یا ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ نہ ان کے باعث سے تمہارے لئے کوئی پابندی ہی پیدا ہو گی ۔

دکھوں سے نجات

ہم یہ دیکھ چکے ہیں۔ کہ ہماری جھوٹی اور بے بنیاد خواہشات اور غلط آرزوئیں ہی ہمیشہ ہمارے لئے دکھوں اور مصیبتوں کا باعث ہوتی ہیں۔ لیکن اس طرح برہم سے ہو جانے پر وہ بھی سب پاکیزہ و مقدس بن جاتی ہیں۔ اور ان سے بھی کوئی دکھ یا برائی پیدا ہونے نہیں پاتی۔ اس راز سے لاعلمی و عدم واقفیت کے باعث ہی لوگ اس دنیا کو ایک جہنم کہتے

ہیں ۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے ۔ کہ یہاں درحقیقت کتنا سکھ ۔ کتنا آرام ۔ اور کتنا اطمینان موجود ہے ۔ صرف یہاں ہی نہیں ۔ بلکہ ان کی ذات خاص میں ۔ ان کے چاروں طرف ۔ ہر مقام پر اور ہر جگہ ۔ مگر پھر بھی انہیں اس کا علم نہیں ؛

سنسار کیا ہے ؟

اب ذرا سوچو کہ یہ راکشی سنسار کیا ہے ؟ ویدانت جواب دیتا ہے ۔ اودیا ۔ اگیان ۔ لاعلمی اور جہالت ! ویدانت کہتا ہے ۔ دنیا بھر میں سب سے بڑی ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے بھی ہم پیاسے ہیں ۔ ہمارے سامنے خوراک کے ڈھیر لگ رہے ہیں ۔ مگر پھر بھی ہم بھوکے ہیں ۔ یہ دنیا سکھ اور آنند سے پُر ہے ۔ مگر ہمیں اس میں کہیں ڈھونڈے بھی آرام نہیں ملتا ۔ حالانکہ ہم بھی اسی میں ہیں ۔ اور سب آرام و آسائش بھی اسی میں ہر وقت ہمارے گرد و پیش پھیلے ہوئے ہیں ۔ مگر پھر بھی ہم نہیں دیکھ نہیں پاتے ۔ پہچان نہیں سکتے ۔ مختلف مذاہب یہ دعوے کرتے ہیں ۔ کہ ہم اس آنند بھرے سنسار کو تمہیں دکھلائینگے ۔ اس آنند بھری دنیا کی تلاش میں ہی سب لوگ مصروف و مشغول ہیں ۔ سب ہی قوموں نے اس کی تلاش کی ہے ہر مذہب کا یہی ایک واحد نشانہ ہے ۔ مختلف زبانوں میں اسی ایک نصب العین کا بیان ہے ۔ مگر کیا کوئی اس کا سیدھا راستہ بتا سکتا ہے

نہیں ہرگز نہیں مختلف مذاہب کے باہمی جھگڑے محض فضول و بے معنی ہیں۔ یہ سب اختلاف محض زبانوں کے تفاوت کے باعث ہیں۔ کوئی اپنے خیالات کو کسی طرح بیان کرتا ہے۔ کوئی کسی طرح! الفاظ جدا جدا ہیں۔ مگر مطالب و معانی سب کے ایک ہیں۔ شاید جو بات میں ابھی آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں۔ وہی آپ بھی بالکل دوسری زبان اور دوسرے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں محض شہرت اور کچھ جھوٹا فائدہ اٹھانے کے خیال سے ہی ہم یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ کہ یہ ہمارے ذاتی (اوریجنل original) خیالات ہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ کی اس وسیع دنیا میں ذاتی یا اوریجنل ہے ہی کیا؟ جو کچھ بھی ہے اس کی ضخیم کتاب قدرت یا اسے پڑھنے اور سمجھنے والوں کی بار ہا لکھی ہوئی اور بیان کردہ باتوں کی نقل ہے۔ ان ہی کی بنیاد پر ہماری اس زندگی کے یہ سب جھگڑے اور بکھیڑے ہیں۔ جو نت نئے روپ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

عمل کرنا مشکل ہے

اسی سلسلہ میں اور بھی بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ باتیں بنانی تو بہت آسان ہیں۔ لیکن ان پر عمل کرنا نہایت مشکل ہے۔ میں اپنے عہد طفولیت سے ہی اس پرماتما کے ہر جگہ حاضر ناظر ہونے اور اسے سرب دیاپک روپ سے دیکھنے کی بات چیت سنتا چلا آتا ہوں۔ جس سے سب چیزیں پوتر ہو کر

دُکھ کی بجائے سکھ دینے والی ہو جاتی ہیں۔ لیکن جیسے ہی کہ میں دنیا میں داخل ہوتا ہوں۔ اور اس دنیا کی ٹھوکریں کھاتا ہوں۔ سب تھوڑا گیان ہوا ہو جاتا ہے۔ بازار میں سے گذرتا ہوا میں سوچتا ہوں۔ کیا درحقیقت پرماتما ہر جگہ موجود ہے ؟ یا ویسے ہی لوگوں نے من بہلا دینے کے لئے یہ بات بنا رکھی ہے ؟ اتنے ہی میں ایک نہایت تحیم شحیم شخص پیچھے سے آکر مجھے دھکا دیتا ہوا آگے گذر جاتا ہے۔ اس کے دھکے سے میں منہ کے بل گر پڑتا ہوں۔ میں فوراً ہی اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ سب گیان میرے دماغ سے کافور ہو جاتا ہے۔ میرے سر پر خون سوار ہو جاتا ہے۔ آنکھیں سرخ انگارہ سی دہکنے لگتی ہیں۔ اور میں دیوانہ سا بن جاتا ہوں۔ اس وقت مجھے خدا کی عوض شیطان دکھائی دینے لگتا ہے ۔

ہماری کمزوریاں

اپنے روز پیدائش سے ہی ہمیں سکھایا جاتا ہے۔ کہ پرماتما کو ہر جگہ دیکھو۔ ہر شے میں اسی کا درشن کرو۔ ہر مذہب یہی تعلیم دیتا ہے۔ حضرت مسیح نے بھی اپنے نئے عہد نامے میں نہایت صاف الفاظ میں یہی فرمایا ہے۔ ہم سب نے اپنے بزرگوں سے یہی سیکھا ہے۔ لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے۔ اور ہم اپنی اس تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو قدم قدم پر مشکلات رونما ہوتی ہیں۔ آپ کو حکیم لقمان (ایسپ) کی وہ حکایت

یاد ہوگی۔ جس میں ایک بارہ سنگا پانی میں اپنا عکس دیکھ کر اپنے بچے سے کہتا ہے۔ کہ دیکھو! میں کیسا طاقت ور ہوں؟ میرے سینگ کتنے خوبصورت ہیں؟ میرے پٹھے کتنے مضبوط اور بھرے ہوئے ہیں۔ اور میں کتنا بھاگ سکتا ہوں؟" اتنے ہی میں کتوں کے "بھوں بھوں" کرنے کی آوازیں کان میں آنے لگتی ہیں۔ جن کے سنتے ہی بارہ سنگے کا خون خشک ہو جاتا ہے۔ اور وہ دم دبا کر بھاگ نکلتا ہے۔ بھاگتا۔ بھاگتا۔ ہانپتا۔ کانپتا کوسوں دور نکل جانے پر کہیں سانس لینے کیلئے ٹھیرتا ہے۔ لیکن بہت چوکنا۔ نہایت سہما ہوا سا۔ بچہ حیران ہو کر پوچھتا ہے۔ کہ "ابھی تو آپ یہ کہہ رہے تھے۔ کہ "میں نہایت طاقتور ہوں۔ بہت بلوان ہوں۔ مگر کتوں کی آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ کیسا زور اور کیسی طاقت ہے"؟ بارہ سنگے نے جواب دیا۔ "بیٹا! بس یہی تو مجھ میں سب سے بڑی کمزوری ہے۔ کہ کتوں کی آواز سنتے ہی میرے ہوش خطا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر مجھ سے ایک منٹ بھی کہیں نہیں رکا جاتا۔"

بالکل یہی حال ہمارا بھی ہے۔ غریب بنی نوع انسان کا فکر ہمیں ہر وقت کھائے جاتا ہے۔ ہم ہمیشہ ان کی بہتری کے خیال میں گھلے جاتے ہیں۔ لیکن جونہی کسی کتے کی آواز ہمارے کان میں آتی ہے۔ ہم بزدل بارہ سنگے کی مانند بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور میدان عمل سے پیٹھ دکھا کر دور۔ بہت دور جاکر دم لیتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہماری تمام تعلیم و تربیت کا اگر یہی انجام ہونا ہے۔ تو پھر اس سے فائدہ ہی کیا ہے؟

تعلیم تربیت کا فائدہ

عزیزمن! فائدہ تو بہت ہے لیکن سب کچھ ایک ہی دن میں نہیں ہو جاتا۔ پہلے آتما اور اس کی طاقتوں کے متعلق بات چیت سنو۔ پھر اس کا خیال کرو! شب و روز اس پر غور و خوض کرتے رہنے کی عادت ڈالو! پھر فائدہ بھی معلوم ہونے لگے گا۔ ویسے تو سب ہی آسمان کو دیکھ سکتے ہیں۔ زمین پر پیٹ کے بل رینگتا ہوا ایک کیڑا بھی آسمان دیکھ رہا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ کتنی دور ہے۔ ہمارا من تو ہر جگہ برقی سرعت سے جا پہنچتا ہے۔ لیکن اس کثیف اور بھاری بھرکم جسم کا تو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہل کر جانا ویسا آسان نہیں۔ اس میں تو بڑی ہی دیر لگتی ہے۔

آدرش کی ضرورت

یہی حال ہمارے آدرشوں کا بھی ہے۔ وہ بہت بلند ہیں۔ اور ہم بہت نیچے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ ہمارے سامنے کوئی نہ کوئی آدرش کوئی ذکر نصب العین ضرور ہونا چاہیے۔ اور ہمیں اپنی منزل مقصود بلند سے بلند بنانی چاہیے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ بدقسمتی سے دنیا میں زیادہ تر انسان بغیر کسی نصب العین کے تاریکی میں ہی بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اگر ایک شخص جس کے سامنے کوئی آدرش موجود ہے۔ ہزار غلطیاں کرتا ہے۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ وہ شخص جس کا کوئی نصب العین نہیں پچاس ہزار غلطیاں کرتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کی نظروں کے سامنے اس کا کچھ نہ کچھ آدرش ضرور ہونا چاہیئے۔ جب تک وہ آدرش ہمارے دل میں نہ سما جائے ہمارے دماغ میں گھر نہ کر لے۔ ہمارے خون کے ساتھ ہماری رگ رگ اور ریشے ریشے میں نہ دوڑنے لگے۔ ہمارے جسم کے ذرے ذرے میں پیوست نہ ہو جائے۔ تب تک ہمیں ہر وقت اس کا خیال رہنا چاہیئے۔ اور خاموشی سے اپنے دل کی آواز کو چپ چاپ سنتے رہنا چاہیئے۔ جب دل خیالات وجذبات سے پر ہو جاتا ہے۔ تب ہی بات زبان سے نکلتی ہے۔ جب دل پر خیالات وجذبات کا تسلط ہو جاتا ہے۔ تب ہی ہاتھ بھی کام کیلئے اٹھتے ہیں۔ اس سے پہلے اگر زبان بولتی ہے۔ یا ہاتھ کام کرتے ہیں۔ تو اس کی بات یا ان کے کام میں وہ اثر ہرگز نہیں ہو سکتا جو کہ درحقیقت ہونا چاہیئے۔

خیالات کی طاقت

خیالات ہی ہمیں کام کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس لئے پہلے اپنے دل کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور بلند سے بلند خیالات سے پُر کر لو۔ شب روز ان ہی باتوں کو۔ اور ان ہی پر غور وخوض کرتے رہو۔ ناکامی و ناکامیابی

کا خیال تک بھی اپنے دل میں کبھی نہ لاؤ۔ اور ان سے کسی طرح بھی خوفزدہ نہ ہو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ ابتدا میں ناکامیابیاں تو محض قدرتی لازمی و لابدی ہیں۔ ان ہی کی بدولت تو تمہاری طاقتیں بڑھتی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ اور ہماری زندگی میں خوبصورتی اور دلفریبی پیدا ہوتی ہے۔ جدوجہد اور جنگ جدل کے بغیر زندگی کا لطف ہی کیا ہے؟ کشمکش کے بنا زندگی کی تمام شعریت ضائع ہو جاتی ہے۔ غور و خوض کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ اسی لئے جنگ حیات کی ناکامیوں کو کبھی خیال میں نہ لاؤ! اپنی معمولی معمولی غلطیوں کی کچھ پروا نہ کرو! بلکہ ان کی بجائے بار بار اپنے آدرش کو اپنی آنکھوں کے سامنے۔ ذہن کے سامنے اور دل و دماغ کے سامنے لاؤ! اور اس تک پہنچنے کے راستوں اور ذریعوں کی تلاش کرو! اگر ان کوششوں میں تمہیں ہزار مرتبہ بھی ناکامیابی رونما ہو۔ تو پھر کوشش کرو! پھر کوشش کرو!! اور پھر کوشش کرو!!! کبھی مایوس نہ ہو! بلکہ مایوسی کو دنیا میں گناہ عظیم خیال کرو؛

بلند ترین و بہترین آدرش

انسانی زندگی کا بلند ترین و بہترین نصب العین یہ ہے۔ کہ وہ پرماتما کی ہستی کو ہر جگہ محسوس کرے۔ اس کے لئے ذرے ذرے میں نور خدا کا دیدار ہو۔ اگر تم شروع شروع میں اسے ہر چیز میں نہیں دیکھ سکتے۔

تو سب سے پہلے اس چیز میں دیکھو۔ جو تمہیں سب سے زیادہ پیاری ہے۔ پھر اس کے بعد دوسری چیز میں جو اس سے کم درجے پر عزیز ہو۔ اس کا خیال کرو۔ اور اسی طرح قدم بہ قدم اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلو تمہاری کامیابی لازمی و یقینی ہے۔ کیونکہ آتما کے لئے زندگی لامحدود ہے حسب ضرورت وقت صرف کرو۔ اور یقین رکھو کہ ایک نہ ایک دن تمہاری دلی خواہش ضرور بر آئیگی۔ اور تم اپنے منشا و مدعا میں کبھی ناکامیاب نہ رہوگے۔

وہی ایک۔ جو من سے بھی زیادہ چنچل ہے۔ جس کی رفتار من کی نسبت بھی بہت زیادہ تیز ہے۔ انسان کا وہم و گمان بھی جس تک نہیں پہنچ سکتا دیوتا بھی جس کا پار نہیں پا سکتے۔ وہی ایک پرماتما تمام کائنات عالم کو چلا رہا ہے۔ اور خود بھی اس کے ساتھ ہی چل رہا ہے۔ وہ صرف چلتا ہی نہیں۔ بلکہ قائم بھی ہے۔ یہ سب کچھ اسی میں قائم ہے۔ وہ قائم بھی ہے اور متحرک بھی۔ نزدیک بھی ہے اور دور بھی۔ سب اشیا کے اندر بھی ہے باہر بھی۔ ان ہی کے ذریعے ہم اسے پہچان سکتے ہیں۔ جو اس آتما کو تمام اشیا میں دیکھتا ہے۔ اور سبھی اشیا کو اس آتما میں دیکھتا ہے۔ وہ اس آتما سے کبھی بھی دور نہیں ہوتا۔ جب کوئی شخص تمام دنیا کو۔ روح اور مادے سے پُر اس تمام کائنات کو اس آتما میں دیکھنے لگتا ہے۔ تب اسے اس راز سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے پھر کوئی مایا نہیں رہتی جس نے اس کائنات کی وحدت کو پہچان لیا پھر اس

کیلئے دکھ کہاں ؟

دنیا کی جملہ اشیا اور زندگی کی وحدت

ویدانت کا دوسرا خاص اصول کائنات کی جملہ اشیا اور زندگی کی وحدت ہے۔ ویدانت بتلاتا ہے۔ کہ ہمارے تمام دکھوں اور مصیبتوں کی بنیاد اودیا اور جہالت ہے۔ یہ اگیان ہر شئے کو جدا جدا سمجھتا ہے۔ انسان کو انسان سے بچے کو بیوی سے۔ ماں کو بیٹے سے۔ ایک قوم کو دوسری قوم سے زمین کو چاند سے۔ چاند کو سورج سے حتیٰ کہ دنیا کے ایک ایک ذرے کو دوسرے ذرے سے الگ سمجھا جا رہا ہے۔ یہ علیحدگی و اختلاف کا علم ہی ہماری سب اذیتوں اور مصیبتوں کا باعث ہے۔ ویدانت کہتا ہے۔ کہ یہ اختلاف کہیں بھی نہیں۔ یہ حقیقی نہیں۔ اندرونی نہیں۔ محض قیاسی و بیرونی ہے ÷

درحقیقت دنیا کی سب اشیاء ایک ہی ہیں۔ اگر نگاہ غور سے دیکھو تو انسان انسان ہیں۔ عورت اور بچے ہیں۔ ایک قوم اور دوسری قوم ہیں۔ اونچ نیچ ہیں۔ ادنےٰ اعلےٰ ہیں غریب امیر ہیں۔ انسان اور فرشتے ہیں۔ کچھ بھی فرق نہیں۔ سب ایک ہی ہیں۔ ایک ہی اصول کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر زیادہ غور خوض سے کام لیا جائے۔ تو سب جاندار اور بیجان بھی ایک ہی نظر آئینگے۔ جیسے اس بات کا گیان ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے مایا نہیں رہتی۔ وہ وحدت کے اس راز کو پا لیتا ہے۔ جیسے

ہم مذہبی اصطلاح میں پرماتما کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے لئے مایا کہاں؟ کس میں طاقت ہے جو اسے موہ سکے؟ اپنے جال میں پھنسا سکے! اس نے تو تمام اشیا کی ماہیت کو۔ ان کی وحدت و یگانگت کے راز کو پہچان لیا ہے۔ جب اسے کوئی خواہش بھی نہیں رہی۔ تو دکھ کہاں رہیگا!

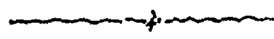
جس نے دنیا کی حقیقت کو ایشور سے پڑھ جان لیا۔ جو سبھی اشیا کی وحدت سے واقف ہو گیا۔ وہ تو خود ہی ست۔ چت۔ آنند۔ اننت گیان اور لافانی زندگی والا بن گیا۔ اس میں دکھ۔ تکلیف۔ نفرت۔ حقارت۔ رنج۔ خوف موت اور بے اطمینانی کہاں رہ سکتی ہے؟ وہ تو واحدہٗ لاشریک اور خوشی مجسم ہے۔ وہ پھر کس کے لئے دکھ مانے؟ اس کے لئے تو در حقیقت نہ موت ہے۔ نہ دکھ۔ نہ وہ کسی کے لئے دکھی ہوتا ہے۔ نہ افسوس کرتا ہے ٭

وہ تو پوتر پرماتما۔ بالاتر از ذات و صفات۔ غیر مجسم۔ لازوال و لافانی۔ قائم بالذات۔ اور زندہ جاوید ہے۔ جو سب کو ان کے اعمال و افعال کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے۔ وہی سب میں محیط و بسیط ہے۔ وہ لوگ اندھیرے میں بھٹکتے ہیں۔ جو اس آدیان اور اودیا سے پیدا شدہ دنیا کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کی محبت کے گرویدہ ہیں۔ جو اس سنسار کو حقیقی سمجھ کر اسے ہی اپنا معبود بنا بیٹھے ہیں۔ وہ تاریکی میں سرگرداں ہیں۔ جو اپنی ساری عمر اس جہان فانی کے عیش و آرام میں ہی گذار کر یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اس سے زیادہ خوشنما اور دلکش اور کچھ بھی نہیں۔ وہ اور بھی زیادہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پھنسے ہیں لیکن جو اس دلفریب مادے کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ وہ اس مادے کی

مدد سے حقیقت مادہ پر غور کر کے موت سے پار ہو جاتے ہیں ۔ اور اس علم مجسم راحت کل کو حاصل کر لیتے ہیں ۔

اے آفتاب عالمتاب! تو نے اپنی زریں سپر سے حقیقت کو چھپا رکھا ہے ۔ تو اسے درمیان سے ہٹا دے تاکہ میں اسے دیکھ سکوں ۔ تیرے اندر جو حقیقت پوشیدہ ہے ۔ اسے میں نے جان لیا ہے ۔ تیری ہزار ہزار بلکہ بے شمار کرنوں اور تیرے نور اجلال کا راز میں سمجھ چکا ہوں جس کی بدولت تو پر نور ہے ۔ میں اس پاکیزہ اور مقدس نور کو بھی دیکھ رہا ہوں تیری حقیقت مجھے صاف نظر آ رہی ہے ۔ اور میں یہ جان چکا ہوں ۔ کہ جو تجھ میں ہے ۔ وہی مجھ میں ہے ۔ اور جو مجھ میں ہے ۔ وہی تجھ میں ہے ۔ اس لئے جو تو ہے ۔ وہ میں ہوں اور جو میں ہوں وہی تو بھی ہے ۔ مجھ میں اور تجھ میں کچھ بھی فرق نہیں ۔

دریا سے یہ قطرہ کہتا تھا تو اور نہیں میں اور نہیں
تجھ میں اور مجھ میں فرق ہے کیا تو اور نہیں میں اور نہیں
مجھ سے ہی تیری ہستی ہے تجھ میں میری ہی ہستی ہے
مجھ بن کیا تیری ہستی ہے تو اور نہیں میں اور نہیں



تیسرا لیکچر

بھگتی اور پریم

دو ایک مذاہب کے علاوہ باقی سب ہی مذاہب میں ایک شخصی خدا کی عبادت کی تعلیم ہے۔ بودھ اور جین دھرموں کے سوائے تقریباً سنسار کے سبھی مذہبوں نے ایک پرمیشور کو مانا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی بھگتی اور اپاسنا کا خیال بھی پیدا ہوا ہے۔ بودھ اور جین ان دونوں دھرموں میں اگرچہ کسی شخصی خدا کی عبادت نہیں۔ لیکن وہ اپنے اپنے مذاہب کے بانی مبانیوں کو بالکل اسی طرح مانتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ جیسے کہ دیگر مذاہب ایک شخصی خدا کو۔ اس کی پرارتھنا اور اپاسنا کا خیال جس سے ہم پریم کہہ سکتے ہیں۔ اور جو ہمارے پریم کو ہمارے من سے ملاتا ہے۔ یہ نام

ہے یہی پریم اور اپاسنا کا مسئلہ مختلف مذاہب میں مختلف شکل اور مختلف طریق میں ظاہر ہوتا ہے ؀

مورتی پوجا

اس اپاسنا کی پہلی سیڑھی مورتی پوجا ہے۔ انسان دنیاوی اشیا کا شیدا ہے۔ اس کے لئے کسی غیر مادی و غیر مجسم خیالی شے کا قیاس تک کرنا بھی ناممکن ہے۔ اس لئے وہ انہیں سب سے ادنیٰ طبقہ میں لاکر کوئی نہ کوئی مادی شکل دے ہی لیتا ہے۔ یہیں سے اپاسنا کے عجیب غریب طریقے اور انکے ساتھ مورتیوں نیز ان کے مختلف ناموں کی ابتدا اور پیدائش شروع ہوئی ہے۔ دنیا بھر کی تواریخ میں ہمیں یہی بات نظر آتی ہے کہ انسان نرگن (بالاتر از ذات و صفات) ایشور کو ان ہی مورتیوں اور ناموں کی مدد سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دھرم کے بیرونی نشانات گھنٹے۔ باجے گیان اور اپاسنا کے عجیب و غریب طریقے۔ کتابیں اور مورتیاں سب اسی مقصد کے لئے ہیں۔ ان میں سے وہ کوئی سا بھی ذریعہ فوراً اختیار کر لیتا ہے۔ جو اس کے محسوسات کو حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ اور جب سے وہ لگن (پرے از صفات) میں نرگن (ا ا ا ا) کا تخیل کر سکتا ہے۔ اسی طریق سے ہر ایک انسان ایشور کی اپاسنا کرنے لگتا ہے۔ اور آخر اس کو جاننے اور اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے ؀

بت پرستی کی مختلف شکلیں

اسی طرح تمام ممالک میں وقت وقت پر فلاسفر جنم لیتے رہتے ہیں جو مختلف نمائشی رسومات اور ناموں کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوتی رہی ہیں۔ کیونکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب تک انسان کی موجودہ حالت قائم رہیگی۔ تب تک بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی تعداد کثیر کسی نہ کسی ایسی شکل و صورت والی شے کی خواہش کریگی۔ جسے وہ اپنے تمام جذبات کا مرکز بنا سکے۔ اور جس کے گرد وہ اپنے تمام خیالات کو جمع کر سکے۔ مسلمانوں۔ عیسائیوں اور پروٹسٹنٹوں نے انہیں مراسم کو دور کرنے کے لئے بے حد اور سخت کوششیں کیں۔ لیکن پھر بھی ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان میں کوئی نہ کوئی رسومات پیدا ہو ہی گئیں۔ غرضیکہ اپاسنا کی ان مادی صورتوں سے ہم کسی طرح بھی عدم تعاون نہیں کر سکتے۔ اور ایک عرصہ دراز کی جد و جہد کے بعد لوگ ایک نام کی بجائے دوسرا نام تجویز ہی کر لیتے ہیں ؛

ایک مسلمان جو یہ سوچتا ہے۔ کہ کافروں کی متشکل عبادت یعنی بت پرستی وغیرہ ایک گناہ عظیم ہے۔ اس بات کو بالکل بھول جاتا ہے۔ کہ ہر ایک مذہبی مسلمان کو اپنی نماز کے وقت یہ فرض کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ کعبہ میں کھڑا ہے اور جب وہ حج کرنے کے لئے کعبہ جاتا ہے۔ تو وہاں وہ خود ایک

دیوار میں نصب شدہ سیاہ پتھر کو چومتا ہے۔ جس کا نام سنگ اسود ہے۔ اس طرح لاکھوں بلکہ کروڑوں حاجیوں نے اس پتھر کو جو بوسے دیئے ہیں۔ ان کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے۔ کہ ان کے نشانات قیامت کے دن۔ جبکہ سب کے نیک و بد اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ نمایاں ہو کر ان حاجیوں کی عقیدتمندی کی شہادت دینگے۔ ماسوا اس کے وہاں ایک چاہ زمزم بھی ہے۔ جس کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ جو شخص بھی اس کنوئیں سے تھوڑا سا پانی کھینچ کر بہا دے گا۔ اسی کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اور بعد محشر وہ ایک نیا جسم حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے لافانی ہو کر بہشت میں رہیگا۔

دیگر مذاہب میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان ناموں نے گرجاؤں اور مندروں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ عیسائیوں کے لئے گرجا دیگر سب مقامات کی نسبت بہت زیادہ مقدس ہے۔ گرجا صرف ایک نام ہے۔ یا ان کی مذہبی کتاب بائبل کو ہی لیجئے۔ یہ مذہبی کتاب ان کی نظروں میں باقی تمام نام والی اشیا سے بڑھ کر مقدس ہے۔ جیسے پروٹسٹنٹوں کے لئے صلیب مقدس ہے۔ ویسے ہی رومن کیتھولکوں کے لئے ان مہاتماؤں کے بت ہیں۔ جو اپنے مذہب پر قربان ہوئے ہیں۔

بت پرستی کیخلاف وعظ فضول ہے

ان ناموں کے خلاف وعظ کرنا فضول ہے۔ اور وہ وعظ کیا بھی کیوں جائے؟

اس کی کوئی بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ انسان شکل و جسم رکھنے والے ناموں کی پوجا کیوں نہ کرے جس خیال کو وہ نام ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے لئے ہی تو ان کی عبادت کی جاتی ہے۔ یہ دنیا بھی تو ایک نام ہی ہے۔ جس کے پس پردہ صداقت کو۔ اور اس سے بڑھ کر اس سے مابعد کی صداقت کو دریافت کرنے کے لئے ہم ایسی زبردست کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ سب ان لوگوں کے لئے ہیں جن کے دماغ کافی طور نشوونما یافتہ نہیں ہیں۔

اسی لئے ہم ان ناموں اور ان کے نشانات و علامات سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سچ ہے۔ کہ ہم ان دنیاوی اور مادی ناموں سے آگے بڑھ کر نرگن ستیہ کے پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم سب کا ہمارا نشانہ نظر نرگن ہی ہے نہ کہ سگن۔ مراسم۔ مورتیاں۔ گھنٹے۔ آرتی۔ کتابیں۔ گرجے۔ مندر وغیرہ وغیرہ دیگر تمام مقدس اشیا نہایت خوبصورت ہیں۔ کیونکہ وہ روحانیت کے ترقی پذیر پودے کی معاونت کرتی ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مگر ۹۹ فیصدی حالات میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ روحانیت کا پورا نشوونما حاصل نہیں کرتا۔ کیونکہ ایک گرجے یا مذہب میں پیدا ہونا اچھا ہے۔ لیکن اسی میں مرجانا خراب ہے۔ اسی طرح کسی مقررہ مذہبی رسم و رواج کی پابندی میں زندگی شروع کرنا برا نہیں کیونکہ وہ روحانیت کے پودے کی نشوونما میں تعاون کرتی ہیں۔ لیکن اگر انسان ان پابندیوں کی حدود کے اندر ہی مرجاتا ہے۔ تو اس سے

یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس نے عمر بھر بھی روحانی ترقی نہیں کی۔

اس لئے اگر کوئی یہ کہتا ہے۔ کہ نام۔ رسوم اور اپاسنا کے مختلف طریقے ہمیشہ ہی رہنے چاہئیں۔ تو وہ بھی غلط کہتا ہے۔ لیکن اگر وہ صرف یہ یہاں کہتا ہے۔ کہ روح کی ابتدائی اور غیر نشوونما یافتہ حالت میں یہ سب چیزیں امداد کرتی ہیں تو اس کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔

روحانی ترقی اور دماغی ترقی

ماسوائے اس کے یہ بھی سمجھنا چاہئے۔ کہ اس روحانی ترقی سے دماغی ترقی کا کوئی تعلق نہیں۔ دماغی نقطہ خیال سے خواہ کوئی کتنا بھی بڑھا چڑھا اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو۔ روحانی ترقی کے لحاظ سے وہ محض ایک مبتدی یا اس سے بھی ادنےٰ درجہ کا ہو سکتا ہے۔ اس کا امتحان تو اب بھی کچھ بہت مشکل نہیں۔ آپ سب ہی ایک سرب ویاپک پرماتما کی اپاسنا کرنا جانتے ہیں۔ لیکن ذرا اسے اپنے ذہن میں لانے کی کوشش تو کیجئے آپ میں سے اکثر تو ایسے ہوں گے۔ جو اس کی سرب ویاپکتا کا خیال کرتے ہوئے سخت کوشش کرنے پر اسے سمندر سے (بشرطیکہ آپ نے دیکھا ہو۔) آسمان سے۔ کسی نہایت وسیع میدان سے۔ یا صحرائے اعظم (بشرطیکہ آپ نے اس کی سیر کی ہو) سے مشابہت دے سکیں گے۔ لیکن یہ سب بھی تو مادی اشیا ہیں۔ جب تک آپ ذہن کی

مشابہت کسی رنگ یا درش سے ہی نہیں کہہ سکتے۔ تب تک آپ کو ان ہی ناموں۔ مورتیوں اور رسومات کا سہارا لینا پڑے گا۔ خواہ وہ آپ کے دماغ میں ہوں۔ یا اس سے باہر ؂

مورتی پوجا کی حقیقت

اس لئے آپ سبھی پیدائشی بت پرست ہیں اور مورتی پوجا اچھی بھی ہے۔ کیونکہ وہ انسانی خصلت کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اسے کون چھوڑ سکتا ہے؟ صرف وہ مکمل انسان جس نے پرماتما کو ہر جگہ حاضر ناظر جان اور پہچان لیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی سبھی بت پرست اور مورتی پوجک ہیں جب تک آپ اس دنیا کو اس کی مختلف صورتوں اور شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ تب تک آپ سب ہی بت پرست ہیں۔ کیا آپ کے دماغ میں جو صورتیں اور شکلیں پیدا ہوتی ہیں؟ ان کے متعلق آپ کے دماغ میں محض تھوڑی سی ہی سلسلی ہوتی ہے۔ اس کائنات کا جو ایک نہایت وسیع شے ہے۔ آپ معہ اس کے روپ رنگ اور شکل وصورت کے کیوں خیال کرتے ہیں؟ وہ بھی تو ایک نہایت ہی بڑی اور وسیع مورت ہے۔ جس کی آپ اپاسنا کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے شریر کے متعلق یہ کہتا ہے کہ میں ہوں۔ وہ بھی ایک پکا بت پرست ہے۔ کیونکہ آپ سبھی روح اور آتما ہیں۔ جس کی نہ کوئی صورت ہے نہ شکل۔ جو لامحدود ہے اور جسے مادہ چھو بھی نہیں سکتا۔ اس لئے جو بھی اپنے آپ

کو یہ مادی جسم مانتا ہے۔ اور بغیر سگن مادے کی مدد کے نرگن کا حقیقی طور پر خیال نہیں کر سکتا۔ وہی بت پرست ہے۔ پھر یہی لوگ کیسے ایک دوسرے کو بت پرست اور مورتی پوجک کہہ کر طعن وتشنیع کر سکتے ہیں؟ یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ میری مورتی سچی ہے اور تیری جھوٹی؟

اس لئے بچوں کے سے ان فضول ولغو خیالات کو ہمیں قطعی نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ اور ان لغویات میں پھنسے ہوئے لوگوں کی بک بک جھک جھک سے الگ ہو جانا چاہیئے۔ جن کے لئے دھرم بہ جوش الفاظ کا محض ایک مجموعہ ہے۔ جن کے لئے ایک خاص قسم کے مسئلہ مسائل کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ جن کے لئے دھرم محض زبانی خدا پرستی یا الحاد ہے۔ جن کے لئے مذہب صرف ان الفاظ پر ایمان لانے کے سوا کچھ اور نہیں۔ جو ان کے گورو نے ان کے کانوں میں پھونک دئے ہیں۔ جن کے لئے مذہب صرف اسی کو کہتے ہیں۔ جس پر ان کے باپ دادا پشت ہا پشت سے اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں۔ یا جن کے لئے دھرم ایک خاص قسم کے عقاید و اعتقادات کے مجموعہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ جن پر وہ صرف اس لئے ایمان لائے ہوئے ہیں۔ کہ وہ ان کے قومی عقاید ہیں!!

اگر بنی نوع انسان کو ہم ایک عظیم الجثہ شخص کی مانند خیال کریں۔ جو آہستہ آہستہ علم حقیقت کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ اور جس کے دل کا خوبصورت کمل اس لازوال آفتاب صداقت یعنی پرماتما کی پیار اور شعاعوں کے زندگی بخش لمس سے بتدریج شگفتہ و شاداب ہو رہا ہے۔ تو ہمیں محسوس

ہو گا۔ کہ اس طرح علم حقیقت کی طرف بہ ہیئت مجموعی قدم بہ قدم بڑھتے جانے کیلئے ہمیں سب سے پہلے انہیں مراسم اور مادی ذرائع کا سہارا لینا پڑیگا۔ جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے سوا ہمارے لئے اور کوئی بھی چارہ کار نہیں ؂

نام کی عظمت

اپاسنا۔ پوجا اور عبادت کے تمام مختلف طریقوں میں صرف ایک ہی خیال عالمگیر اور سب سے اہم ہے۔ وہ ہے نام کی اپاسنا آپ میں سے جنہوں نے بھی قدیم عیسائیت یا کسی اور قدیم مذہب کا مطالعہ کیا ہے۔ اُسے معلوم ہوگا۔ کہ ان سب ہی مذاہب میں نام اپاسنا یا ورد اسم کا عجیب وغریب خیال موجود ہے۔ ان سب میں نام کو مقدس مانا گیا ہے۔ پرماتما کے نام کے متعلق آپ لوگوں نے کبھی یہ پڑھا ہوگا۔ کہ یہودیوں میں پرماتما کا نام اتنا قابل تقدیس سمجھا جاتا تھا۔ کہ معمولی انسانوں کے لیئے اس کا ورد تک بھی منع تھا۔ وہ نہایت ہی پاکیزہ خیال کیا جاتا تھا۔ پاکیزہ سے بھی بدرجہا زیادہ پاکیزہ! اور مقدس سے بھی ہزار درجہ بڑھ کر مقدس! اسے باقی سب ناموں میں پاکیزہ ترین و مقدس ترین خیال کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کا یہ خیال تھا۔ کہ یہ نام ہی پرماتما ہے۔ اور در حقیقت یہ کچھ غلط بھی نہ تھا۔ کیونکہ یہ کائنات نام اور خدا کے سوا اسے بھی اور کیا ؟

نام اور روپ کا ناقابل شکست تعلق

کیا آپ الفاظ کے بغیر کسی چیز کا خیال کر سکتے ہیں۔ الفاظ اور خیالات میں علیحدگی ناممکن ہے۔ اگر اس کا امکان ہو۔ تو ذرا کوشش کر دیکھئے! جب کبھی بھی آپ کچھ غور فرماویں گے۔ تو اس کے ساتھ ہی الفاظ کا خیال ضرور دل میں آجائیگا۔ غرضیکہ لفظ روح ہے۔ اور خیال بیرونی غلاف یا جسم۔ یہ دونو ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں۔ دونوں کو ایک ساتھ ہی رہنا پڑے گا۔ یہ جدا نہیں ہو سکتے۔ ایک کے ساتھ دوسرے کی ہستی وابستہ ہے۔ لفظ کے ساتھ خیال اور خیال کے ساتھ لفظ۔ اسی طرح یہ دنیا ایک بیرونی جسم یا غلاف ہے۔ جس کے اندر روح کی مانند وہ صداقت کامل اور حقیقت حقیقی یعنی پرماتما پوشیدہ ہے۔

جب تم اپنے کسی دوست کی یاد کرتے ہو۔ تو اس کا جسم بھی خود بخود دیا آجاتا ہے۔ اور اس کے جسم یا شکل و صورت کی یاد آتے ہی اس کا نام بھی فوراً یاد آجاتا ہے۔ کیونکہ انسان کی پیدا اور اس کے تعلقات کی خصلت ہی ایسی ہے۔ اور انسانی دماغ کی ساخت ہی ایسی ہے۔ کہ بغیر کسی شکل و صورت کے اسے کوئی نام یا بغیر نام کے کوئی شکل و صورت یاد نہیں رہ سکتی۔ اور یہ دونو ہی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کئے

جا سکتے - ایک اگر جسم ہے - تو دوسرا روح - اسی لئے دنیا میں نام کی اتنی عظمت اور عزت ہوتی ہے - نیز اس کی پرستش کیجاتی ہے - اور سب نے ہی دانستہ یا نادانستہ طور پر نام کی اس عظمت کو تسلیم کیا ہے ؛

تاریکی میں بھی نور ہے

لیکن ساتھ ہی اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں - کہ بہت سے مذاہب میں کئی قابل تعظیم ہستیوں کی عزت کی جاتی ہے - لوگ کرشن - بدھ اور عیسے وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں - کہیں کہیں مہاتماؤں کی پوجا بھی کی جاتی ہے دنیا میں سینکڑوں ہی بزرگوں کی پرستش ہوتی ہے - کیوں نہ ہو - نور حقیقت کی شعاع ہر جگہ ہی بہہ رہی ہے - اُلّو بھی اسے اندھیرے میں دیکھ لیتا ہے - اس سے یہ ثابت ہوتا ہے - کہ وہ نور تاریکی میں بھی موجود ہے - مگر انسان اسے دیکھ نہیں سکتا - انسان کے لیئے وہ نور کی شعاع صرف چراغ میں یا آفتاب و مہتاب میں ہے ؛

جامۂ انسانی میں نورانی کا جلوہ

پرماتما سرب ویاپی ہے - سبھی اشیا میں اس کا ظہور ہے - لیکن انسان کو وہ انسان میں ہی زیادہ صاف طور پر نظر آتا ہے - جب اس

کا نور۔ اس کا جلال۔ اس کی روح انسان کے بہشتی چہرے کو منور کرتی ہے تب ہی انسان اسے پہچان سکتا ہے۔ اس طرح انسان ہی پرماتما کو پہچان کر انسان نے اس کی پرستش کی ہے۔ اور جب تک وہ انسان ہے۔ تب تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ اس کے خلاف خواہ وہ کتنا بھی روئے۔ چلائے۔ اور ہاتھ پاؤں مارے لیکن جب کبھی وہ پرماتما کا خیال اپنے دل میں لائے گا۔ اپنے انسان ہونے کے باعث اسے اپنے دل میں پرماتما کا قیاس ایک انسان کی مانند ہی اسے لانا پڑیگا۔ اس لئے سب ہی مذاہب کی پرستش میں یہ تین باتیں سب سے زیادہ اہم مانی جاتی ہیں۔ نام۔ نشان اور مہاپرشن یا بزرگ و رہنما۔

نام نشان اور مہاپرشوں کی پرستش!

سب ہی مذاہب میں ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ لیکن ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے وہ کیسے کمر بستہ رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے میرے معبود کا نام۔ ان کی مورتیاں۔ اور میرے رہنما بزرگ ہی سچے ہیں۔ تمہارے وہمی۔ قیاسی اور لغو ہیں۔ عیسائی پادری آج کل کچھ زیادہ آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہ کہتے ہیں۔ کہ دیگر تمام مذاہب اس آئندہ مذہب کے متعلق محض پیشین گوئیاں اور اس کی علامات کے طور پر تھے۔ مکمل مذہب تو ان کا مذہب عیسوی ہی ہے۔ گویا پہلے پرماتما اپنی طاقت

ایک نے کہا "شو ہی سچا ایشور ہے"۔ دوسرے نے کہا "سچا ایشور تو وشنو ہے"
ان کے بحث مباحثے کی کوئی حد نہ رہی۔ تو تو میں میں تک نوبت پہنچ گئی۔
اتنے ہی میں کہیں سے ایک مہاتما جا پہنچے۔ لوگوں نے ان سے بھی اس
بحث میں حصہ لینے کیلئے کہا۔ انہوں نے پہلے اس شخص سے جو شو کو
سب سے بڑا دیوتا کہہ رہا تھا۔ پوچھا "کیا تم نے شو کو دیکھا ہے؟ اس سے
تمہاری جان پہچان ہے"؟ وہ اس سوال کا کیا جواب دے؟ خاموش
بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر مہاتما بولے "اگر نہیں دیکھا تو تم یہ کیسے کہتے ہو کہ
شو ہی سب سے بڑا دیوتا ہے"؟ دوسرے سے بھی انہوں نے ویسے ہی سوالات
کئے یعنی کیا تم نے وشنو کو دیکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ؟
اس طرح سوالات کرنے پر انہیں معلوم ہوا۔ کہ ان لڑنے والوں
میں سے کسی کو بھی پرمیشور کے متعلق کچھ علم نہیں۔ اور یہی ان کے لڑنے
جھگڑنے کی اصلی وجہ بھی ہے۔ اگر انہیں حقیقت کا کچھ علم ہوتا۔ تو وہ لڑتے
کیوں؟ گھڑا جبتک دریا میں پانی سے بھرا جاتا ہے۔ تب تک ہی انہیں
آواز ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ پُر ہو جاتا ہے۔ تب وہ خاموش ہو جاتا
ہے۔ اسی طرح جو شخص حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔ وہ یوں لڑتا
جھگڑتا نہیں پھرتا۔ اس لئے ان مذاہب اور ان کی شاخوں کے باہمی
لڑائی جھگڑوں سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ دھرم کے متعلق کچھ بھی
نہیں جانتے۔ مذاہب ان کی نظروں میں صرف پرجوش الفاظ کا نام ہے
جو کتابوں میں درج ہیں۔ اس لئے جسے بھی دیکھو وہی مہاتما کہیں یا

جس کسی سے بھی مل سکے۔ کچھ کہے سنے بغیر ایک بڑی سی کتاب عاریتاً لیکر
کوئی نئی کتاب تحریر کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور دنیا میں۔ جہاں پہلے
سے ہی ہزاروں لڑائی جھگڑے جاری ہیں۔ وہ اپنے اس گروہ کو پھینک
دینا ہی سب سے بڑا دھرم خیال کرتا ہے ؁

آستک اور ناستک

دنیا کے لوگ زیادہ تر ناستک ہیں۔ مغرب کے نئے مادہ پرست ناستکوں
کو دیکھ کر مجھے خوشی اور اطمینان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کم از کم راست باز تو ہیں۔
وہ ان پاکھنڈی۔ نام نہاد مذہبی لوگوں اور خدا پرستوں سے تو بدرجہا اچھے
ہوتے ہیں جو مذہب کے نام سے نہایت خوفناک طریق پر بحث مباحثے
کرتے پھرتے ہیں۔ نت نئے جنگ و جدل لڑتے ہیں۔ لیکن تحقیقات کی کبھی
سچی خواہش نہیں کرتے۔ نہ احساس کی رغبت ہی کبھی ان کے دل میں پیدا
ہوتی ہے۔ اور نہ اسے سمجھنے کے لئے ہی وہ کوشاں رہتے ہیں ؁

آپ ذرا حضرت مسیح کے ان الفاظ کو یاد کریں جس میں انہوں نے
یہ فرمایا ہے۔ کہ "مانگو اور تم پاؤ گے۔ ڈھونڈو۔ اور تمہیں ملیگا۔ کھٹکھٹاؤ
اور دروازہ کھلے گا۔" یہ الفاظ حرف بحرف صحیح ہیں محض گپ نہیں۔ اس دنیا
میں آنیوالے مہاتما کے سب سے بڑے لافانی بچوں میں سے۔ ایک بچے
کے خون دل سے رنگے ہوئے الفاظ ہیں۔ یہ محض کتابوں کے الفاظ نہیں

بلکہ ایک ایسے انسان کے دل ودماغ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جسے پرماتما کے ساکشات درشن (یعنی دیدار) ہوئے تھے۔ جس نے خدا سے روبرو ہوکر ایسے بات چیت کی تھی۔ جیسے کہ ہم اس وسیع اور عالیشان عمارت میں بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے ہیں۔ جو اس سے ہزار گنے زیادہ جوش اور پریم کے ساتھ جیسے کہ ہم تم آپس میں رہتے ہیں۔ اپنے خدا کے ساتھ رہا تھا۔ سوال تو یہی ہے۔ کہ ایشور کے پانے کی خواہش کسے ہے؟ کیا تم جانتے ہو۔ کہ دنیا کے کتنے لوگوں کو ہر ایک شے کی بستی اس کی خواہش پیدا کرتی ہے؟ پرماتما کی خواہش ہے۔ اور وہ انہیں ملتا نہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ خواہش ہو اور نہ ملے! نہ یہی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کے ہوئے بغیر ہو کر اس کی خواہش پیدا ہو۔ کیا تم نے کبھی یہ دیکھا ہے۔ کہ ایک انسان سانس لینا چاہے۔ اور ہوا موجود نہ ہو؟ کیا تم نے کبھی یہ سنا ہے۔ کہ کسی کو بھوک لگی ہو۔ اور کہیں کھانا دستیاب نہ ہو؟ ہماری ان خواہشات کو پیدا کون کرتا ہے؟ بیرونی اشیا کی موجودگی! روشنی سے ہی آنکھوں کی پیدائش ہے۔ اور آواز سے کان کی۔ اسی طرح انسان کی ہر ایک خواہش کو کوئی نہ کوئی بیرونی شے جو دنیا میں پہلے سے موجود ہے۔ پیدا کرتی ہے۔ پورنتا یعنی کمال حاصل کرنے کی خواہش اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کی آرزو۔ اور مادی دنیا سے آگے جانے کی تمنا بھی ہمارے دل میں کیسے پیدا ہو سکتی تھی۔ اگر کسی غیر یقینی طاقت نے اسے ہماری آتما میں پیدا نہ کیا ہوتا۔ اور پھر پرورش کر کے اسے اتنا طاقتور اور زبردست نہ بنایا ہوتا۔ اس لیے بس یہ سمجھ لو کہ جس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو چکی ہے۔ وہ ضرور

بالضرور ایک دن اپنی منزل مقصود تک پہنچے گا۔ لیکن در حقیقت پرماتما کی خواہش کسے ہے؟

فیشن دھرم

ہم تو ہر وقت السی کی خواہش میں گرفتار ہیں۔ جو اشیا اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ ان کا مذہب سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ فرض کرو لیجیے میم صاحب کے پاس دور دراز ممالک کے تیار شدہ قسم قسم کے آرائشی ساز و سامان موجود ہیں۔ لیکن آج کل کا یہ فیشن ہو گیا ہے۔ کہ کوئی نہ کوئی جاپانی چیز بھی گھر میں موجود ہو۔ اس لئے انہوں نے ایک جاپانی برتن خرید کر اسے بھی اپنے کمرے میں سجا لیا ہے۔ دنیا کے زیادہ تر لوگوں کے لئے دھرم بھی ایک فیشن ہی ہے۔ کیونکہ انہیں عیش و آرام کے سبھی سامان دستیاب ہیں۔ کسی نہ کسی طرح کے دھرم کے بغیر بھی زندگی کچھ نہ کچھ نامکمل سی رہتی ہے۔ اور عوام مذمت بھی کرتے ہیں۔ اس لئے تھوڑا سا دھرم بھی ضرور ہونا چاہیئے۔ ورنہ عوام میں تنقید ہوگی۔ اسی لئے آج کل سب صاحب لوگ اور میم صاحب تھوڑا سا دھرم بھی ضرور اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ زمانہ حال میں دھرم کا یہی حال ہے لیکن کیا اتنے سے اور ایسے دھرم سے کچھ کام نکل سکتا ہے؟

زبردست خواہش کی ضرورت

ایک شاگرد اپنے گورو کے پاس گیا اور بولا "گورو جی مجھے دھرم چاہیئے"۔ گورو جی نے شاگرد کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ صرف کسی قدر مسکرا دیئے

شاگرد ہر روز آتا تھا۔ اور اسی بات کا اصرار کرتا تھا۔ کہ مجھے دھرم چاہیئے۔ لیکن بڑھے اور رودیو نوجوان چیلے کی اس خواہش سے زیادہ اچھی طرح واقف تھے۔ ایک دن جب خوب گرمی پڑ رہی تھی۔ وہ اس نوجوان چیلے کو غسل کرانے کیلئے ندی پر لے گئے۔ دونو پانی میں داخل ہوئے۔ نوجوان نے پانی میں پہلے غوطہ لگایا۔ بوڑھے گورو دیو نے اس کا سر زبردستی پانی میں دبائے رکھا۔ اور اسے باہر نہ نکلنے دیا جب وہ کچھ دیر تک کوشش کر چکا۔ اور بیہوش سا ہونے لگا۔ تو انہوں نے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر میں جب دونو باہر آئے۔ تو گورو نے چیلے سے پوچھا کہ "پانی میں تمہیں کس چیز کی سب سے زیادہ خواہش تھی؟ چیلے نے جواب دیا۔ سانس لینے کی"۔ پھر گورو نے دریافت کیا۔ کہ کیا دھرم کی بھی تمہیں ویسی ہی خواہش ہے؟ اگر ہے تو تم اسے ایک لمحے میں پا سکتے ہو۔ ورنہ کبھی نہیں پا سکتے۔ اسلئے پہلے ویسی زبردست خواہش پیدا کرو۔"

آپ اپنی کتابوں کو، دماغ کو اور مورتیوں کو سے پھونے خواہ کتنا بھی سر کیوں نہ ٹپکیں۔ جب تک آپکے دلوں میں۔ وہ خواہش اور وہ پیاس پیدا نہیں ہو جاتی جو کہ ہونی چاہیئے۔ تب تک آپ پرماتما کو نہیں پا سکتے۔ آپ کے اور ناستک میں فرق صرف اتنا ہے۔ کہ وہ ایماندار ہیں۔ اور آپ نہیں۔

ایک بڑے مہاتما کہا کرتے تھے۔ فرض کرو کہ کوٹھڑی میں ایک چور گھسا ہے۔ اور دوسری کوٹھڑی میں پاس دیوار ہی بہت سا خزانہ رکھا ہوا ہے۔ اس وقت اس چور کی کیا حالت ہوگی؟ کیا اسے نیند، بھوک پیاس کچھ ستاوے گی؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں!! اس کا دل اس خزانے میں لگا رہیگا۔ وہ یہی سوچیگا۔ کہ کس طرح اس دیوار کے اس طرف جاؤں؟ اور خزانے کو اپنے قابو میں لاؤں؟ اسی طرح

ایک انسان کو جب یہ یقین ہو جائے گا کہ خوبصورتی، مسرت اور سکھ اور خوشی کا بڑا پرماتما
اس کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ جسے وہ ذرا سی کوشش سے حاصل کر سکتا ہے
تو کیا وہ یونہی دنیا کے ان معمولی دھندوں میں مصروف رہے گا؟ اور پرماتما کو پانے کی
کچھ بھی کوشش نہ کرے گا؟

دھارمک بیداری

جب کسی کو یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ پرمیشور ہے۔ تو وہ اسے پانے کیلئے بیقرار و
بیتاب ہو اٹھتا ہے۔ اور لوگ خواہ کچھ بھی کیوں نہ کرتے رہیں۔ جس شخص کو یہ وشواس
ہو جاتا ہے کہ اس دنیاوی زندگی سے بڑھ کر اور بلند تر بھی کوئی دوسری زندگی ہے
جس کے مقابلے میں محسوسات کی یہ زندگی محدود ہے۔ اور یہ مادی جسم فانی۔ مگر وہ زندگی
لافانی اور لامحدود ہے۔ آتما کے حسن و جمال کے مقابلے میں اس مادی جسم کی خوبصورتی
محض ذرہ ناچیز ہے۔ تو وہ فوراً اس لامحدود خزانۂ مسرت اور حسن لا انتہا کو حاصل
کرنے کیلئے دیوانہ وار مضطرب و بیقرار ہو اٹھتا ہے۔ یہی دیوانہ پن۔ یہی پیاس یہی
خواہش دھارمک بیداری ہے۔ جب انسان اس طرح جاگ پڑتا ہے۔ تب ہی
وہ حقیقی معنوں میں مذہب پرست اور دھارمک بنتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ایک
عرصہ دراز اور زمانہ کثیر کی ضرورت ہے۔

پرستش کے مختلف طریقے۔ جیسے۔ پوجا پاٹھ۔ تیرتھ۔ برت۔ حج۔ روزے
کتابیں۔ گھنٹے گھڑیال۔ آرتی وغیرہ سب ہی اس آخری بیداری کی تیاریاں ہیں
ان کی مدد سے جب آتما پوتر اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ تو قدرتاً وہ پاکیزگی کے منبع

غفران پرماتما سے ملنے کیلئے اس کی طرف کھچنا شروع ہوتا ہے۔ جیسے صدیوں کے گرد و غبار میں دبا ہوا لوہا اپنے قریب پڑے ہوئے مقناطیس کی کشش سے بھی متاثر نہیں ہو سکتا لیکن جب اس کے اوپر کی مٹی اور اس کا زنگ دور ہو جاتا ہے تو وہ فوراً دور پڑے مقناطیس سے بھی جا کر پیوست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ ہماری آتما بھی ہزارہا سال کی مادی غلاظت۔ بدی اور گناہ آلود افعال و اعمال میں لپٹی ہوئی۔ لاکھ لاکھ جنموں کے بعد ان ہی طریقوں اور رسموں سے۔ پیرو پکار کے بھاؤ نیز دوسروں سے محبت کرنے کی کوشش پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اور تب اس کی قدرتی کشش سے سب طاقتیں اس میں واپس آجاتی ہیں۔ جب اسکی یہ طاقتیں اس طرح پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو پرماتما سے ملنے کیلئے وہ خود بخود بیقرار ہو اٹھتا ہے۔ اور اسی وقت سے اسکی زندگی میں دھرم اور مذہب کا آغاز ہوتا ہے۔

عشق کرنا آسان نہیں

اس طرح یہ رسوم اور یہ طریقے سب محض ابتدائی ہیں۔ انہیں سنیہ پریم یا عشق حقیقی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ہر ایک مذہبی بزرگ سے ہم بھی سنتے ہیں۔ کہ پرماتما سے پریم کرو۔ خداوند تعالےٰ کے عشق صادق کو اپنے دل میں جگہ دو۔ لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ عشق کیا کیسے جاتا ہے؟ اگر وہ جانتے تو اس کے متعلق یوں باتیں نہ بناتے۔ ہر شخص کہتا ہے۔ کہ میں محبت کرتا ہوں۔ مجھے عشق ہے لیکن کچھ دیر بعد ہی معلوم کیا ہوتا ہے؟ کہ اسکے دل کو عشق اور پریم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ہر ایک عورت کہتی ہے۔ کہ میں پریم کرتی ہوں۔ لیکن ایک لمحہ میں ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ

اس کے دل میں رتی بھر بھی پریم نہیں۔ ویسے تو سنسار پریم اور عشق و محبت کی باتوں سے پُر دکھائی دیتا ہے۔ لیکن درحقیقت پریم کرنا اور عشق و محبت کا دم بھرنا بہت مشکل ہے۔ پریم کہاں ہے؟ تم کیسے جان سکتے ہو کہ پریم کہاں ہے؟ پریم کی پہلی شناخت یہ ہے کہ پریم میں سودا اور لین دین نہیں ہوتا۔ جب کسی کو خود غرضی اور مطلب پرستی کی بنا پر کسی سے پریم ظاہر کرتے ہوئے دیکھو۔ تو فوراً یہ سمجھ لو۔ کہ وہ پریم نہیں محبت نہیں۔ خود پرستی اور مطلب برآری ہے۔ بنئے اور دوکاندار کی سی محبت ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ جہاں یہ سوال درمیان آ گیا۔ وہاں محبت کہاں؟ اس لئے جب کوئی پرماتما سے یہ پرارتھنا کرتا ہے۔ کہ مجھے یہ دو۔ وہ دو۔ تو وہ سچی بھگتی نہیں کرتا۔ میں تمہاری تھوڑی بہت پرارتھنا کرتا ہوں تم اس کے معاوضے میں مجھے فلاں شے دو یہ تو خالص دوکانداری ہے۔ اس میں پریم اور محبت کہاں؟

ایک بادشاہ تھا۔ وہ جنگل میں شکار کھیلنے کیلئے گیا۔ وہاں اسکی ایک مہاتما سے ملاقات ہوئی۔ مہاتما جی سے کچھ دیر تک بات چیت کر کے وہ اتنا خوش ہوا۔ کہ اس نے انہیں کچھ نذر و نیاز دینی چاہی۔ مہاتما نے کہا "نہیں مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میں اپنی موجودہ حالت میں ہی ہر طرح صابر و شاکر ہوں۔ ان درختوں سے کھانے اور اپنا پیٹ بھرنے کیلئے مجھے کافی پھل مل جاتے ہیں۔ چشمے کا صاف و شفاف پانی میری پیاس بجھانے کیلئے بہت کافی ہے۔ اس غار میں سو کر میں اپنی شب گذاری کر لیتا ہوں۔ پھر مجھے کسی اور چیز کی کیا پرواہ ہے۔ اگرچہ تم بادشاہ ملک ہو۔ مگر پھر بھی مجھے تمہارے کسی تحفہ تحائف کی مطلق ضرورت نہیں" بادشاہ نے کہا "آپ اپنی خاطر نہیں تو محض میری خاطر ہی کچھ نذر منظور فرما کر مجھے سرفراز فرمائیں۔ بلکہ اتنی ذرہ نوازی

اور کریں کہ میرے ساتھ میرے پایہ تخت تک تشریف لے چلیں اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے میرے محلات کو بھی پاک فرمائیں ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

بادشاہ کے بےحد اصرار پر درویش بادشاہ کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہوگیا۔ بادشاہ اسے اپنے ہمراہ محل میں لایا۔ اور ساز و سامان۔ زر و جواہرات سے پُر کمروں میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ بعد ازاں بادشاہ اس درویش کو چند منٹ کے لئے ایک کمرے میں بٹھا کر آپ وہیں نماز پڑھنے لگا۔ اور نماز کے بعد یوں دعا مانگنے لگا "یا خدا! اپنی کریمی کے صدقے مجھے اور بھی دھن دولت اور اولاد عطا کر" بادشاہ کی یہ دعا سنکر درویش اٹھ کر وہاں سے چلدیا۔ اسے جاتا دیکھ بادشاہ پیچھے دوڑا۔ اور پاس جاکر بولا "اے مرد خدا! ذرا ٹھہریئے! میرا کچھ تحفہ تو لیتے جائیے" درویش نے چیں بجبیں ہو کر کہا "بھکاری! فقیر ہیں فقیروں اور گداگروں سے کچھ نہیں لیا کرتا۔ تو مجھے کیا دے سکتا ہے؟ تو تو خود ہی دوسرے کے دروازے کا گدا ہے"!

محبت میں سودا نہیں ہوتا

یہ عشق و محبت کے الفاظ نہیں۔ اگر تم خدا سے بھی لین دین کرتے ہو۔ تو ایک دوکاندار میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے؟ اس لئے محبت کی سب سے پہلی شناخت یہ ہے۔ کہ اس میں سودا نہیں ہوتا۔ پریم ہمیشہ دیتا ہے۔ لینے کی خواہش نہیں رکھتا ایشور کا سچا بھگت سچا پریمی۔ عاشق صادق ہمیشہ یہی کہتا ہے۔ کہ اگر خدا چاہیے

تو میں اپنا یہ پھٹا ہوا کمبل بھی اسکی نذر کر سکتا ہوں۔ لیکن میں اس سے لینا کچھ نہیں چاہتا دنیا بھر میں مجھے کسی چیز کی بھی خواہش نہیں میں تو اس سے محبت کیلئے محبت کرتا ہوں خود غرضی یا نفس پرستی کیلئے نہیں لہذا قادر مطلق ہے یا نہیں۔ اس کی بھی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ مجھے نہ تو اس کی قدرت و قوت ہی درکار ہے۔ اور نہ اس کی طاقت کا ہی کسی طرح امتحان لینا مطلوب۔ میرے لئے صرف اتنا ہی علم کافی ہے کہ وہ عشق مجسم ہے۔ محبت مکمل ہے سوا اس کے مجھے اور کسی سوال و جواب سے کچھ مطلب نہیں۔

پریم خوف و خطر سے بالاتر ہے

پریم کی دوسری علامت ہے بیخوفی۔ عشق خوف و خطر سے بالاتر ہے۔ پریم خوف نہیں جانتا کس میں طاقت ہے۔ جو پریم اور محبت کو خوفزدہ کر سکے؟ کبھی تم نے بکری اور شیر میں بھی محبت دیکھی ہے؟ بلی اور چوہے کو آپس میں ایک دوسرے سے پیار کرتے پایا ہے؟ اسی طرح مالک اور غلام میں بھی پریت نہیں ہو سکتی اس میں شک نہیں۔ کہ بعض غلام کبھی کبھی اپنے مالک سے محبت و وفاداری کا اظہار ضرور کرتے ہیں۔ لیکن وہ سچی محبت اور سچا پریم نہیں ہوتا محض مکر و ریا۔ زمانہ سازی اور دھوکا دہی ہوتی ہے۔ جب تک ایک انسان کے دل میں ایشور کے متعلق یہ خیال موجود ہے۔ کہ وہ اوپر۔ آسمان میں۔ بادلوں پر حکمرانی کرتا ہے اس کے ایک ہاتھ میں سزا دینے کا ڈنڈا ہے۔ اور دوسرے میں جزا کا انعام ہے تب تک اس کے ساتھ پریم اور محبت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پریم کے ساتھ خوف۔

یا کسی خوف پیدا کرنے والی چیز کا کچھ بھی تعلق نہیں۔
ذرا اپنے ذہن میں ایک نوجوان عورت کا نقشہ کھینچیے۔ وہ اپنے دروازے
پر کھڑی کچھ تماشہ دیکھ رہی ہے۔ اتنے ہی میں اسکے دروازے کے پاس ایک
کتا بھونکنے لگتا ہے۔ وہ فوراً خوفزدہ ہوکر دروازہ بند کر لیتی ہے۔ اور اپنے گھر
میں گھس جاتی ہے۔ دوسرے دن وہ گلی میں کھڑی ہے۔ ایک خوبصورت بچہ
اس کی انگلی پکڑے ہوئے ہے۔ اور میٹھی میٹھی باتیں کہہ رہا ہے۔ اچانک کہیں
سے ایک شیر وہاں آجاتا ہے۔ اور بچے پر جھپٹتا ہے۔ کیا آج بھی وہ بزدل
ماں خوفزدہ ہوکر اپنے بچے کو وہیں چھوڑ کر گھر میں جا گھسیگی۔ اور دروازہ بند
کر لیگی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آج وہ کہاں ہوگی؟ شیر کے منہ میں! اپنے عزیز از جان
بچے کو شیر سے بچانے کی کوششوں میں اپنی جان پر کھیل جائیگی۔ اور کسی طرح کا
خوف بھی دل میں نہ لائیگی۔ یہ ہے پریم کی فتح خوف پر!
پرماتما کا پریم بھی بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایشور پریمی کو اس بات کی بالکل بھی
پرواہ نہیں ہوتی کہ پرماتما سزا دیتا ہے۔ یا جزا۔ ایک جج جب کچہری سے واپس
آتا ہے۔ تب اس کی بیوی اسے سزا یا جزا دینے والے جج کی حیثیت سے نہیں
دیکھتی۔ بلکہ وہ اسے اپنا پران پتی۔ اپنے جان و دل کا مالک اور اپنا محبوب شوہر خیال
کرتی ہے۔ اس کے بچے بھی اسے جج صاحب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اپنا پریمی پتا
اور محبت والفت کرنے والا باپ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ایشور کے پریمی بھگت
بھی اسے سزا و جزا دینے والا منصف و عادل حکمران خیال نہیں کرتے۔ بلکہ
محبت مجسم اور پریم مورت پرمیشور سمجھتے ہیں۔ جو لذت عشق سے بے خبر ہیں۔

اور جنہوں نے پریم رس کے سواد کو نہیں چکھا۔ وہی خدا سے خوف کھاتے ہیں۔ اس کے پریمی بھگت نہیں ؟

اس لئے خوف کو اپنے دل سے دور کردو۔ اجر او جزا دینے والے خدا کا کمزوری پیدا کرنے والا خیال اپنے دل سے نکال دو۔ ایسی سب باتیں غیر مہذب اور جنگلی لوگوں کیلئے ہی مناسب ہیں۔ جو بھگت جن آتما کی حقیقت سے واقف ہیں یا سے در حقیقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو دھرم کے رموز و رموز کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں نور حقیقت روشن ہو چکا ہے۔ ان کیلئے ایسے خیالات بالکل بچوں کی سی نادانی اور بے عقلی سے پر ہیں۔ ایسے انسانوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کے دل تو ہر طرح کے خوف خطر سے محفوظ و مامون رہتے ہیں ؟

سچے پریمی کا آدرش

سچے پریم کی تیسری اور سب سے افضل شناخت ہے اس کا آدرش۔ اس کا نصب العین۔ جب ایک شخص پہلے دونوں امتحانات میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جب اسکے رگ و ریشے۔ دل و دماغ سے دوکانداری اور لین دین کا خیال نکل جاتا ہے۔ جب اس کا دل ہر طرح کی سزا کے خوف و خطر اور جزا کے لالچ اور طمع سے بالکل پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ تب اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے۔ کہ پریم کا آدرش۔ عشق و محبت کا نصب العین دنیا میں بلند ترین ہے۔ بارہا دیکھا جاتا ہے۔ کہ ایک نہایت ہی خوبصورت و

خوبرو، حسین و مہ جبیں عورت ایک بدصورت اور کریہہ منظر شخص پر اپنا دل و جان قربان کرنے لگتی ہے۔ اور اسکے برعکس ایک نہایت خوش رو و خوش خو، چندے آفتاب چندے مہتاب نوجوان ایک بیحد بدشکل اور بھونڈی صورت والی عورت پر اپنا دین و ایمان تک نثار کر رہا ہے۔ اس کا باعث کیا ہے؟ وہاں ان کیلئے کشش کیا ہے؟ اس مرد یا عورت کی بدصورتی پر صرف غیر اشخاص کی نگاہیں جاتی ہیں۔ لیکن ان کے طلبگاروں اور چاہنے والوں کی نہیں۔ ان کیلئے دنیا بھر کے سب مردوں اور عورتوں میں سب سے زیادہ خوش شکل و قبول صورت ہیں۔ جو عورت ایک بدشکل مرد سے محبت کرتی ہے۔ درحقیقت اس نے اپنی خوبصورتی کے نصب العین میں اس مرد کی بدصورتی کو چھپا لیا ہے۔ جس سے کہ اسے عشق ہے۔ اب وہ شخص بدصورت و بدنما نہیں رہا۔ بلکہ اس عورت کے اپنے حسن و جمال کا ایک عکس اور جیتا جاگتا مرقع ہے۔ وہ شخص محض ایک علامت ہے۔ اس کے نصب العین کی۔ جس کی خوبصورتی کے پردے میں اس عورت نے اسے لپیٹ لیا ہے۔ اور اس طرح اسے اپنے لئے عبادت اور پرستش کی ایک مقدس شے بنا لیا ہے۔ جس چیز سے بھی ہمارے دل میں حقیقی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہم میں سے اکثر کے بھائی بہن نہایت ہی معمولی سی شکل و صورت والے ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی اپنے بھائی اور بہن ہونے کے باعث وہ ہمیں جتنے پیارے اور خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اتنے غیر نہیں!

اس کا راز یہی ہے کہ ہر شخص اپنے نصب العین کے سانچے میں اپنے مطلوب و معشوق کو ڈھال کر اس سے محبت و عشق پیدا کرنے لگتا ہے۔ یہی نقشہ اس تمام

صغیر عالم کا ہے۔ یہاں ہم جو کچھ بھی دیکھتے ہیں۔ وہ سب ہی ہمارے اپنے آپ یا اس کی عکسی تصاویر ہیں۔ سیپ کے منہ میں ریت کا ایک ذرہ داخل ہو کر اسکے پیٹ میں درد پیدا کرنے لگتا ہے۔ اس درد سے آرام پانے کیلئے اس سیپ میں رہنے والا جاندار کیڑا۔ اسے اپنے لعاب میں لپیٹ لیتا ہے۔ وہی لعاب میں لپٹا ہوا ریت کا ذرہ موتی بنتا ہے۔ یہی ہم سب کی ہستی کا سلسلہ ہے۔ تمام بیرونی چیزیں ریت کے ذرے کی مانند مختلف اسم یا نام ہیں جنہیں ہم اپنے نصب العین کے پردے میں پوشیدہ کر لیتے ہیں۔ بدمزاج اور بدقماش انسانوں کو یہ دنیا دوزخ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور نیک خیال لوگوں کو بہشت کی مانند۔ پریم کرنیوالوں کا یہ دنیا پریم ہے۔ نفرت کرنے والوں کا نفرت۔ جنگ و جدل چاہنے والوں کا جنگ و جدل ہے۔ اور صلح و آشتی کے خواہاں لوگوں کا صلح و آشتی سے خیر مقدم کرتی ہے۔ انہیں ہر طرف اپنا ہی آدرش پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے ان کا خدا اور پرماتما بھی۔ ان کے نصب العین اور آدرش کے رنگ میں ہی رنگا ہوا دکھائی دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے بلند ترین نصب العین کی ہی پرستش کرتے ہیں۔ اور جب ہم اپنے آدرش کو آدرش جان کر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ تب ہمارے سبھی شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ اور ہمیں کسی منطق یا دلیل کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

آدرش شبہ سے بالاتر ہے

ایسی حالت میں اسکی بھی کچھ فکر نہیں رہتی کہ ایشور کی ہستی ثابت ہو سکتی ہے

یا نہیں۔ ہمارا آدرش ہماری عادت و خصلت۔ ہمارے دل و دماغ بلکہ ہمارے جسم کے رگ رگ اور ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔ اور کسی طرح بھی ہم سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق کوئی شک و شبہ تو ہمارے دل میں اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے۔ جب ہمیں اپنی ہستی میں کچھ شک و شبہ ہو۔ چونکہ ہمیں اپنی ہستی پر کبھی کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنے آدرش پر بھی کوئی شک پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپ ہی ذرا سوچیں کہ ایسی حالت میں یہ فکر کیسے ہو سکتی ہے۔ کہ ایسے ایشور کی ہستی سائنس سے ثابت ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ جو کہیں دنیا سے الگ رہتا ہے اور جب اسکے دل میں آتا ہے۔ تو اس دنیا کو پیدا کر کے اس کا انتظام کرتا ہے۔ پھر سب دنیا کا خاتمہ کر کے آپ بھی کچھ مدت کیلئے سو جاتا ہے؟ اس غلطان میں کون پھنسے گا۔ کہ ایشور سرب شکتیمان ہونے ساتھ ہی ساتھ دیالو بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس امر کی پرواہ کسے ہوگی کہ وہ ہمیں ہمارے افعال و اعمال کی سزا و جزا دیتا ہے یا نہیں اور وہ ہمیں ایک ظالم و سفاک حکمران کی مانند دیکھتا ہے یا مہربان و ہمدرد حاکم کی طرح؟ ایک سچا پریمی تو سزا و جزا۔ خوف و خطر۔ شک و شبہ حتیٰ کہ ایشور کی ہستی و نیستی کے سوال سے بھی بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ان باتوں کو ثابت کرنے یا ان کی تردید کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے پریم کا آدرش ہی اسکے لئے سب کچھ ہے۔

دنیا میں پریم کی عظمت کا اظہار

کیا یہ تمام دنیا محبت اور پریم کی عظمت کا ہی اظہار نہیں کرتی؟ ایک ذرہ

دوسرے کے ساتھ آ کر کیسے مل جاتا ہے؟ ایک سیارہ دوسرے سیارے کی طرف ایسی حیرت خیز سرعت کے ساتھ کیسے دوڑا آتا ہے؟ مرد عورت کی طرف اور عورت مرد کی طرف کیسے کھچتی چلی جاتی ہے؟ انسان انسان کے ساتھ اور جانور جانوروں کے ساتھ کیسے مل جل جاتا ہے؟ وہ کون سی طاقت ہے۔ جس کے زیر اثر یہ تمام دنیا ایک ہی مرکز کی طرف کھچی جا رہی ہے؟ وہ طاقت۔ وہ قوت۔ وہ شکتی پریم کی ہی ہے۔ اور کسی کی نہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لیکر بڑے سے بڑے سیارے میں بھی پریم کی شکتی موجود رہ کر شب و روز کام رہی ہے۔ پریم سرب ویاپک اور ہر جا حاضر ناظر ہے۔ جاندار اور بیجان میں کسی خاص شے اور اس وسیع دنیا کی ہر چیز میں پرماتما کا پریم برابر کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اسی پریم کے جوش میں مسیح بنی نوع انسان پر قربان ہونے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ بدھ دیا ایک جانور کیلئے۔ ماں اپنے بچے کیلئے اور شوہر اپنی بیوی کیلئے مرنے مارنے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ حب الوطنی کے جوش میں سرشار ہو کر جام شہادت نوش کر جاتے ہیں۔ وہ بھی درحقیقت اسی پریم کی ویدی پر قربان ہوتے ہیں۔

پریم ہی پرمیشور ہے

اگرچہ سننے میں یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہو گی مگر حقیقت تو یہ ہے۔ کہ چور جو چوری کرتے ہیں۔ وہ بھی پریم کے ہی زیر اثر کرتے ہیں۔ اور قاتل جو خون اور قتل کرتے ہیں اس کا باعث بھی محبت ہی ہے۔ یہ سب ایک ہی طاقت ہے۔ جو مختلف نمونوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا میں کام کرنے کی ترغیب دینے والی وہی ایک طاقت ہے

چور کے دل میں بھی پریم ہوتا ہے۔ لیکن وہ غلط راستے پر چلا جاتا ہے۔ ایک چوری ہی کیا؟ باقی سب پاپ بھی اسی طاقت کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ فرض کر لیجئے آپ میں سے کوئی ایک شخص اپنی جیب میں سے چیک بک نکالکر نیو یارک کے غربا کی امداد کیلئے ایک لاکھ روپیہ کا چیک کاٹ دیتا ہے۔ اور میں بھی اسی قلم دوات سے آپ کے جعلی دستخط بنانے کی کوشش کرتا ہوں ہم دونو کے افعال و اعمال اسی قلم دوات سے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے بھلائی برائی کی ذمہ داری تمام و کمال ہم دونو کے اوپر ہی ہے۔ قلم اور دوات پر نہیں۔ اس طرح ہر ایک کام کی انجام دہی کا واحد ذریعہ اگرچہ پریم ہے۔ جس کے بغیر ایک لمحہ میں ہی تمام دنیا کا شیرازہ منتشر ہو جائیگا لیکن اسکی ذمہ داری پریم کے سر نہیں۔ اور اسی پریم کا نام پرمیشور ہے +

ہم پریم کیوں کرتے ہیں؟

"اے پیارے! استری پتی سے اس کے پتی ہونے کے باعث محبت نہیں کرتی بلکہ اس کے اندر اپنی آتما کو دیکھ کر محبت کرتی ہے۔ اسی طرح اے عزیز کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس لئے پیار نہیں کرتا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ بلکہ اسلئے پیار کرتا ہے کہ وہ اس بیوی میں اپنے آتما کو دیکھتا ہے۔ غرضیکہ کوئی شخص اپنے آتما کے سوا اور کسی کو محبت نہیں کرتا تاہم یہ خود غرضی بھی جس کی اتنی مذمت کی جاتی ہے۔ اس پریم کی ہی ایک شکل ہے۔ اس تھیٹر میں ایکٹر کی حیثیت اختیار نہ کرو۔ بلکہ تماشائی کی مانند الگ کھڑے ہو کر تماشہ دیکھو۔ تو تمہیں اس عجیب تھیٹر کے عجیب و غریب نظارے نظر آئیں گے اس کے دلفریب گیت سنائی دیں گے۔ ایک پریم کے ہی یہ سب حیرت انگیز منظر ہیں،

اس خود غرضی میں بھی پریم کے بہت سے حصے ہو جائیں گے۔ اور ان حصوں کی پھر تقسیم در تقسیم ہو جائیگی۔ ایک آتما ایک شخص کی شادی ہو جانے پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور اولاد ہونے پر ان دو حصوں کے اور بھی کئی حصے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بڑھتے بڑھتے وہی ایک آتما گاؤں۔ تحصیل۔ ضلع اور ملک میں تقسیم ہو جائیگی۔ پھر اس سے بھی زیادہ وسعت اختیار کر کے دنیا بھر میں اور پھر تمام کائنات عالم میں پھیلی ہوئی وہی آتما دکھائی دیگی۔ آخر میں پھر سکڑتے سکڑتے اسی آتما میں سب مرد عورت بیوی بچے۔ لڑکا۔ لڑکی۔ چرند۔ پرند غرضیکہ کل دنیا اسی ایک آتما میں آکر یکرو ہو جائیگی۔ وہی آتما بڑھتے بڑھتے کائنات عالم کے لامحدود پریم میں تبدیل ہو جائیگی۔ اور اسی پریم کا نام ایشور ہے +

سچا پریم کیسے ملتا ہے؟

اسی طرح رسم و رواج۔ ناموں اور مورتیوں سے تعلق توڑ دینے پر ہمیں سب سے افضل بھگتی اور سچا پریم ملتا ہے۔ جو کوئی بھی اس حد کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کی نظروں میں سمپرداؤں اور اس کی شاخوں کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ سب سمپردائے مذاہب اور ان کی شاخیں اسی کی ذات میں ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ کس خاص سمپردائے یا مذہب میں شریک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سب گرجے اور مندر تو اسی میں آ جاتے ہیں۔ وہ کسی محدود رسم و رواج کی بندشوں میں بھی نہیں پھنستا۔ اسے کوئی ایسا مندر یا گرجا دکھائی نہیں دیتا۔ جس میں وہ سما سکے۔ اس لامحدود پریم کی جس میں وہ سما گیا ہے حدود کہاں ہیں؟

جن مذاہب نے پریم کے اس آدرش کو تسلیم کر لیا ہے۔ان میں اسے ایسے ہی الفاظ میں ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگرچہ ہم اس پریم کے معنی سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں۔کہ دنیا کے سبھی پریم۔آرزوئیں اور خواہشیں اسی لامحدود پریم کی مختلف صورتیں ہیں۔پھر بھی ملک ملک کے مہاتماؤں اور رشیوں نے اسی آدرش کو الفاظ میں ظاہر کرنے کیلئے زبان کی تمام لفظی طاقتوں کو خرچ کر ڈالا ہے یہاں تک کہ ادنےٰ سے ادنےٰ الفاظ کی بھی مختلف صورتیں ہونے سے ان کے مختلف ہی معنی نکل آئے ہیں ؛

"پریتم (عزیز ترین) ! تیرے لب جان بخش کا ایک شیریں بوسہ جس نے پالیا ہے۔اسکے دل میں تجھے حاصل کرنیکی خواہش روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے۔اسکے سب ہی دکھوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔اور وہ ماضی حال اور مستقبل سبھی کا خیال بھول کر صرف تیرے ہی دھیان میں محو ہوجاتا ہے۔"

یہ یہودی راجرشی بادشاہ سلیمان کا گیت تھا۔اور یہی گیت بھارت کے مہرشیوں کا بھی ہے۔جب سب آرزوؤں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔تب پریمی پر ایسا ہی دیوانہ پن طاری ہوجاتا ہے۔نجات اور مکتی کو کامل طور پر حاصل کرنیکی خواہش بھی کسے رہتی ہے ؟ پریمی کہتا ہے کہ آزادی کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔جو میں اس کی فکر کروں ؟

مجھے مال و دولت۔حسن و خوبصورتی۔شان و شوکت اور صحت تندرستی بھی نہیں چاہیئے۔دنیا بھر کی سخت سے سخت برائیوں اور گناہوں میں خواہ تو

مجھے پیدا کر دے ۔ تو بھی میں کچھ شکایت نہ کروں گا لیکن مجھے تو یہ اجازت دیدے کہ میں تجھے پیار کرتا رہوں اور صرف پیار کیلئے پیار کرتا رہوں۔"

عشق مجازی اور عشق حقیقی؛

حضرت سلیمان کے ان گیتوں میں عاشق صادق کے یہی جنون خیز جذبات بھرے پڑے ہیں ۔ بلند ترین جذبات سے پُر ۔ نہایت پائدار ۔ اور نہایت ہی کشش آمیز محبت مرد اور عورت کی ہوتی ہے ۔ اسی لئے اس محبت کی زبان کا استعمال ان گیتوں میں بھی کیا گیا ہے ۔ مرد اور عورت کے عشق کا جنون ہی عاشق روحانیت کے جنون سے کچھ کچھ مشابہت و مطابقت رکھتا ہے وحانیت کے عاشق وہی ہوتے ہیں ۔ جو پرماتما کے عشق میں دیوانے ہو جاتے ہیں ۔ وہ شراب شیریں اور سے خوشگوار جیسے ہر مذہب کے مہاتماؤں اور رشیوں نے تیار کیا ہے ۔ جس میں پرماتما کے دیگر پریمی بھگتوں نے اپنا خون دل ملا دیا ہے ۔ جس میں ان سب بے غرض عاشقوں کی امیدیں اور آرزوئیں حباب آسا نمودار ہو رہی ہیں ۔ جنہوں نے ثمر کی خواہش ترک کر کے عشق حقیقت پانے کی امید میں ہی محبت کی ہے ۔ اسی شیریں شراب کا پریم پیالہ ہی طالبان حق نوش کرنا چاہتے ہیں ۔ انہیں اس پربھو پریم کے سوا اور کسی چیز کی خواہش نہیں ۔ اس پریم کا ثمرہ و معاوضہ پریم ہی ہے لیکن وہ کیسا دلکش و دلفریب پریم ہے ۔ وہی پریم ایک ایسی چیز ہے ۔ جو ہمارے سب دکھوں کو دور کر سکتی ہے ۔ اور پریم کی ہی وہ شراب شیریں ہے ۔ جسے پینے سے اس دنیا کے سب دکھ دور ہو جاتے ہیں ۔ انسان میں ایک غیر معمولی جذبہ پیدا ہو جاتا

ہے۔اور وہ یہ بھول جاتا ہے۔کہ میں فانی انسان ہوں۔

سب مذاہب کا ایک نشانہ

آخر میں ہم یہ دیکھتے ہیں۔کہ دنیا کے سبھی مذاہب کا نشانہ صرف ایک ہے اور وہ ہے آتما اور پرماتما کی مکمل یگانگت۔شروع میں ہمیشہ ہمیں متضادیات اور ان کے فرق کا علم بنا رہتا ہے۔اس وقت ہمیں پرماتما اور جیو الگ الگ جان پڑتے ہیں۔لیکن جب انسان کے دل میں پریم پیدا ہو جاتا ہے۔اور وہ پرمیشور کی طرف بڑھنے لگتا۔تو پرمیشور بھی گویا اس سے ملنے کیلئے آگے بڑھتا چلا آتا ہے انسان اپنی زندگی کے سبھی رشتے نبھاتا ہے۔جیسے ماں باپ۔خویش و اقارب وغیرہ وغیرہ جب ضرورت وہ ان سب کی خدمات سرانجام دیتا ہے۔اور آخر میں وہ اپنے معبود میں مل کر ایک ہو جاتا ہے۔میں اور تم کا فرق دور ہو جاتا ہے اپنی پوجا کے ذریعہ ہی میں تمہاری پوجا کرتا ہوں۔اور تمہاری پوجا کی بدولت اپنی۔انسان نے جس کام کا آغاز کیا تھا۔اس کا انجام کہاں ہوا؟ جہاں سے شروع ہوا تھا۔وہیں اس کا خاتمہ بھی ہوا۔ابتدا میں اس کا پریم صرف اپنے ہی لئے تھا۔اس لئے وہ خود غرض تھا۔آخر میں نور حقیقت کے روشن ہونے سے ہی اس کی اپنی آتما پرماتما میں مل گئی۔وہی ایشور جو پہلے کہیں بیٹھا بھی ایک انسان معلوم ہوتا تھا۔اب یکایک لامحدود پریم میں تبدیل ہو گیا۔انسان کی بھی کایا پلٹ ہو گئی۔وہ پرماتما کے قریب پہنچ رہا تھا۔اور اپنی دنیاوی خواہشات اور آرزوؤں سے آزادی حاصل کر رہا تھا۔اس کی تمام خواہشات کے ساتھ ہو

غرضی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کی آخری حدود تک پہنچ کر معبود۔ عبادت اور عابد تینوں ایک ہی ہو گئے۔ اور ان میں کچھ بھی فرق نہ رہا۔ جیسا کہ ایک فارسی شاعر کا قول ہے :

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!!



چوتھا لیکچر

ویدانت

(یہ لیکچر آپ نے ۱۲؍نومبر ۱۸۹۷ء کو لاہور میں دیا تھا)

ہمارے رہنے کی دنیائیں ۔ دو ہیں ۔ ایک اندرونی اور دوسری بیرونی ۔ زمانہ قدیم سے ان دونوں ہی دنیاؤں میں ہماری ترقی پہلو بہ پہلو تقریباً یکساں طور پر جاری رہی ہے ۔ تلاش حقیقت پہلے بیرونی دنیا میں شروع ہوئی ۔ ادق سے ادق اور مشکل سے مشکل سوالات کا جواب حضرت انسان نے اس بیرونی دنیا سے ہی حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ اس نے لامحدود حسن و جمال اور علم و مسرت کے متعلق اپنی پیاس کو بیرونی مادی دنیا سے بجھانا چاہا ۔ اور اپنی روح نیز اس کے جذبات کو اس مادی دنیا کے عبارت میں ہی ظاہر کرنے کی کوشش کی ۔ اسے اپنی ان کوششوں کا ثمرہ بھی اچھا ملا ۔ اس طرح الشعور اور اس کے لامحدود بے پایاں حسن و خوشنمائی کے متعلق لاثانی و بے مثال شاعری اور فصاحت و بلاغت کی بنیاد پڑی ۔ مادے کے بیرونی دلفریب و دلکش جمال و رعنائی نے شاعرانہ تشبیہات و استعارات کی مسرت بخش و سرور افزا دنیا کی تخلیق کی ۔ مگر بعد ازاں انسان نے اس سے

بھی ہزار درجہ بڑھ چڑھ کر دلفریب اور پر از شعریت ایک نئی دنیا کو تلاش کر لیا۔ جو اس، دی دنیا سے بھی بیحد وسیع اور بدرجہا زیادہ خوبصورت وخوشنما ہے۔

ویدوں کا کرم کانڈ اور گیان کانڈ

ویدوں کے پہلے حصہ کرم کانڈ میں دھرم کے متعلق عجیب وغریب مسائل پر غور کیا گیا ہے۔ اس میں ایک حاکم کل خالق ورازق اور بالاخر اس تمام نظام عالم کو فنا وتباہ کر دینے والے پرماتما کی تعریف وتوصیف کے راگ گائے گئے ہیں۔ اور نہایت ہی مؤثر ودلچسپ پیرائے میں اس کائنات (برہمانڈ) اور اسکی روح رواں آتما کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ آپ میں سے اکثر اصحاب کو رگ وید کا وہ بے مثال منتر یاد ہوگا جس میں قیامت یا پرلے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جو شاید قیامت کے متعلق تمام بیانات میں سب سے زیادہ خوبصورت و پر معنی کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ صرف ایک بیرونی تصویر ہے اس لئے ہمیں اس میں کسی قدر کثافت اور مادیت ضرور نظر آتی ہے۔ یہ ایک بیحد و بے حساب۔ لا محدود طاقت کا بیان ہے۔ مگر محدود الفاظ کی زبان وعبارت میں لیکن یہ لا محدود انتہا طاقت بھی جسم کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ نہ کہ روح کے ساتھ جو لطیف بلکہ بے انتہا لطیف ہے۔ یہ بھی کثیف مادے کی ہی مظہر ہے نہ کہ اسکے لطیف اندرونی نور کی اسی لئے ویدوں کے دوسرے حصے یعنی گیان کانڈ میں ایک دوسرے ہی طریق کی پیروی کی گئی ہے۔ یعنی اس میں پہلے حقیقت کی تلاش بیرونی ادسے میں کی گئی ہے۔ زندگی کے متعلق گہرے سے گہرے سوالات کا جواب مادی

پرکرتی (قدرت) سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً جس کی عظمت کا بیان ہمالہ کر رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خیال نہایت ہی خوبصورت اور پُر لطف ہے۔ لیکن نہیں! ہندوستان اور اہل ہندوستان کے لئے اسے کافی دلکش و خوشنما نہیں سمجھا گیا۔ اس لئے ہندوستانی اہل دماغ نے اپنے اندر نظر ڈالی۔ بیرونی تحقیقات سے آگے قدم بڑھ کر اندرونِ دل میں تلاش و تجسس شروع کی۔ اور پھر یہ آواز گونجنی شروع ہو گئی۔

یعنی جب انسان مر جاتا ہے۔ تو اس کا کیا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ رہتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے۔ کہ وہ نہیں رہتا۔ اے موت! بتلا حقیقت کیا ہے؟ یہاں ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ طریق تجسس بالکل ہی مختلف ہو گیا ہے۔ بیرونی قدرت مادی سے جو کچھ بھی مل سکتا تھا۔ دماغ نے اسے قابو میں کر لیا ہندوستانی دماغ اس پر قابض ہو گیا۔ اس کی ملکیت تمام و کمال اس نے حاصل کر لی۔ مگر پھر بھی اس کا اطمینان نہ ہوا۔ اسے صبر نہ آیا۔ تو اس نے اپنے اندر۔ اپنی آتما میں ہی۔ اس کی تلاش شروع کی۔ اور اس مزید تلاش میں اسے کامیابی ہوئی۔ اور اس کا اسے جواب بھی ملا۔

رُوحانیت کا روحانی زبان میں اظہار

اُپنشد۔ ویدانت۔ آرنیک۔ اور رہسیہ ویدوں کے اسی حصے کے نام ہے۔ یہاں دھرم نے مادیت سے بالکل ہی قطع تعلق کر لیا ہے۔ یہاں عالم روحانی کا

دنیاوی زبان میں نہیں ۔بلکہ روحانی زبان میں ہی بیان ہے ۔ لامحدود کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے ۔جو اپنے معانی و مطالب کے لحاظ سے بھی لامحدود ہیں اس شاعری میں برائے نام بھی کثافت نہیں ۔کیونکہ مادیت کا اس سے کچھ بھی تعلق نہیں رہا۔ انپشدوں کے مصنف اور روشن خیال مہرشیوں نے بعید از قیاس بے خوبی کے ساتھ ۔بغیر کسی لاگ لپیٹ اور پس وپیش کے جامہ انسانی میں خوبصورت سے خوبصورت صداقتوں کی موجودگی کا بآواز بلند وبابانگ دہل اعلان کیا ہے ۔ اور کہا ہے ۔کہ" اے ہمارے ہم وطنو! انہیں صداقتوں کو ہم تمہارے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں ۔جو ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہوئی ہیں ۔ ویدوں کا گیان کانڈ ایک نہایت وسیع بلکہ لامحدود سمندر ہے ۔اس کے ایک قلیل ترین حصے کو سمجھنے کیلئے بھی ۔ ایک نہیں بلکہ کئی جنموں کی ضرورت ہے ۔"

شری رامانج آچاریہ نے انپشدوں کے بارے میں کیا سچ فرمایا ہے ۔کہ ویدانت ویدوں کا کندھا ہے ۔ اور انپشد ان کے سر۔" یہ انپشد ہی ہمارے ملک کی بائبل ہیں ۔ہندوؤں کے دلوں میں ویدوں کے کرم کانڈ بھاگ کیلئے بیحد عزت ہے لیکن پشت ہا پشت سے دنیاوی کاموں کیلئے شرتی یعنی انپشدوں اور صرف انپشدوں سے ہی کام لیا گیا ہے ۔ ہمارے سبھی فلسفیوں اور درشن شاستروں کے ودوانوں میں سے ۔خواہ وہ ویاس ہوں ۔یا پاتنجل ۔گوتم ہوں یا سبھی درشنوں کے ادا گورو کپل جیسے بھی کبھی کسی بات کیلئے کوئی ثبوت دینے کی ضرورت پڑی ہے ۔ اسی نے انپشدوں کا سہارا لیکر انہیں ہی اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے ۔ انپشدوں میں ہی انہیں اپنے حسب ضرورت سب ثبوت مل گئے ہیں ۔کیونکہ انپشدوں کے خزانے

میں ہی ہمارے بھارتی رشیوں نے سب قسم کے لازوال - لافانی - ناقابل تردید اور گرانبہا صداقتوں کے درہائے نایاب کو جمع کر دیا ہے ۔

اپنشدوں کی صداقتیں

ان میں سے چند ایک صداقتیں اور حقیقتیں تو ایسی ہیں - جو مقام و زمانے کے بموجب خاص خاص حالات میں ہی صحیح ہیں - لیکن بعض حقایق ایسی بھی ہیں جو انسانی خصلت پر انحصار رکھتی ہیں - اور اسوقت تک لافانی و لازوال بنی رہیں گی - جب تک کہ حضرت انسان جامہ انسانی میں ہیں - یہ حقایق زمان و مکان کی قیود سے آزاد اور دائم قایم ہیں - ہندوستان میں کھانے پینے - رہنے سہنے - پوجا پاٹھ و غیرہ و غیرہ کے طریق و اطوار میں بے شمار مجلسی انقلابات رونما ہونیکے باوجود بھی ہماری شرتیوں کی لاثانی صداقتیں - اور ویدانت کے متحیر کن خیالات آج بھی ہمیشہ کی مانند اپنی شاندار جذبات سے پُر - لافانی و لازوال حالت میں موجود و قایم ہیں -

بایں ہمہ اپنشدوں میں جن خیالات کا مفصل بیان کیا گیا ہے - ان کا ذکر بنیادی طور پر کرم کانڈ میں پہلے بھی آ چکا ہے - مثلاً برہمانڈ کا ذکر جس پر سبھی ویدانتیوں کو پورا پورا اعتقاد ہے - اور وہ خیالات جو سبھی درشن شاستروں کی یکساں طور پر بنیاد مانے جاتے ہیں - پہلے سے بھی وہاں موجود ہیں - اس لئے ویدوں کے زیادہ گہرے بیانات کے حصے میں جانے سے پہلے ہی میں اس کرم کانڈ بھاگ کے متعلق دو چار باتیں کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ آپ اپنشد بھاگ کو اچھی طرح سمجھ سکیں - اور اس کی لطیف خوبیوں کو اچھی طرح سمجھنے میں آپ کو کچھ دقت نہ رہے ۔

پرستھان ترے (تین)

سب سے پہلے میں ویدانت کے معنی کی تشریح و توضیح کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ بد قسمتی سے آج کل اکثر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ ویدانت کے معنی صرف ادویت واد یا ہمہ اوست کی تعلیم کے ہی ہیں۔ لیکن آپ لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ویدانت کا مطالعہ کرنے کیلئے ہمارے یہاں تین طرح کے گرنتھ ہیں۔ جو پرستھان ترے کہلاتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنشد ہیں جو الہامی گیان۔ یا الہام کی خاص پرپرا (ترتیب) سے لکھے ہوئے سمجھے جاتے ہیں۔ پھر ہمارے درشنوں میں بیاس جی کے سوتر ہیں جو کہ سبھی دارشنک سدھانتوں (فلسفیانہ مسائل) کا مجموعہ ہونے کے باعث بہت مشہور ہیں۔ یہ دونو ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔ بلکہ ایک ہی مسئلہ کی نشوونما پاتی ہوئی حالتوں کی دو مختلف شکلیں ہیں۔

اسی نشوونما کا خاتمہ بیاس جی کے سوتروں میں ہوا ہے۔ اپنشدوں کے اور ان سوتروں کے جن میں ویدانت کی نہایت خوبصورت صداقتوں کا صاف اور مسلسل پیرایہ بیان ہے۔ تین ہی ویدانت کی لاثانی و بیمثال تشریح و توضیح کرنے والے اس مشہور عالم گرنتھ کا درجہ ہے۔ جو دنیا میں شریمد بھگوت گیتا کے نام سے مشہور ہے۔ خواہ کوئی دوئت وادی یعنی آتما اور پرماتما کو الگ الگ ماننے والا ہو۔ یا ادوئت وادی یعنی آتما پرماتما کو ایک ماننے والا اور ہمہ اوست کا قایل۔ خواہ کوئی وشنو ہو یا شیو۔ غرضیکہ خواہ کوئی ہندوستان کے کسی بھی مت متانتر سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ سبھی اپنی اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے ان ہی تینوں۔ یعنی

اپنشد۔ گیتا اور ویدانت سوتر کا سہارا لیتے ہیں شنکر آچاریہ۔ بلبھ آچاریہ چیتنیہ جس کسی نے بھی اپنا نیا دھرم چلانا چاہا ۔ اسی نے ان تینوں کی اپنے اپنے نقطہ خیال سے تشریح و توضیح کر کے اپنے تو اس کے مطابق ان کے منشا و مطالب پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔ اس لئے اپنشدوں کے پیش کردہ خیالات کی بنا پر نظام کئے ہوئے کسی بھی خاص سمپردائے یا مت کو ویدانت کا نام دینا۔ حقیقت کے قطعی خلاف نہ ہوگا۔ کیونکہ ویدانت میں یہ سبھی نقطۂ خیال شمول ہیں۔

مادایح کا ایک دویت وادی پیرو بھی اپنے آپ کو ویسا ہی ویدانتی کہہ سکتا ہے۔ جیسا کہ شنکر آچاریہ کا ایک ادویت وادی پیرو۔ صرف یہی نہیں۔ بلکہ میں تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہوں گا۔ کہ "ہندو" لفظ سے بھی ہمارا مطلب ویدانتی سے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ ویدانتی کا لفظ ہر ایک ہندو پر پورے طور سے عاید ہو سکتا ہے۔

سوامی شنکر آچاریہ ادویت واد کے بانی نہیں

آپ کو ایک بات اور بھی اپنے ذہن میں ضرور رکھنی چاہیئے۔ وہ یہ کہ اگرچہ یہ تینوں ہی فلسفیانہ خیالات ہندوستان میں ایک عرصہ دراز سے پہلو بہ پہلو جاری ہیں۔ مگر پھر بھی آپ کو یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ سوامی شنکر آچاریہ جی ہی ہندوستان میں ادویت فلاسفی کے بانی مبانی تھے۔ بلکہ ہندوستان میں ادویت واد سوامی شنکر آچاریہ جی سے بھی ہزاروں سال پہلے سے جاری ہے۔ وہ تو صرف اس کے آخری پرچارک تھے۔ میری رائے میں تو یہ سبھی نقطہ ہائے خیال ایک دوسرے

کے خلاف نہیں۔اسی طرح رامانج آچاریہ کا فلسفہ بھی۔جیساکہ اس مت کی تصنیفات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔رامانج سے ہزارہا سال پہلے سے ہمارے بھارت میں موجود ہے۔

ادویت واد۔دویت واد کی نشوونما اور تکمیل ہے

صرف یہی نہیں بلکہ اور سب طرح کے دویت واد بھی اسی طرح یہاں ایک عرصہ دراز سے موجود ہیں۔اور ان میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کا مخالف نہیں ہے جیسے ہمارے چھٹوں درشن ایک نہایت ہی خوبصورت مسئلہ کی نہایت دلفریب نشوونما کے منظر ہیں۔اور جو دلکش راگ پہلے نہایت شیریں اور مدھم سروں میں شروع ہوا تھا۔وہی بعد میں ادویت واد کا روپ دھر کر نہایت پُر زور اور گھنگھور۔بادلوں کی سی کڑک اور گرج کی فاتحانہ شکل اختیار کر گیا ہے۔اسی طرح ان تینوں مسائل میں بھی ہم بنی نوع انسان کو بلند سے بلند تر نصب العین کی طرف قدم بہ قدم بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔یہاں تک کہ بالآخر سبھی نقطہائے خیال ادویت واد کی بے مثال وحدت میں شامل ہو کر غایت ہو جاتے ہیں۔اس لئے یہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں کہے جا سکتے۔بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔لیکن ساتھ ہی اس کے میں یہ بھی بتلا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔کہ یہ غلطی یعنی ادویت واد کو دویت واد سے مختلف سمجھنے کی غلطی کچھ دس پانچ آدمیوں سے ہی سرزد نہیں ہوئی۔بلکہ بے شمار آدمی کرتے رہے ہیں۔

ادویت وادی اپنا جو سبق سناتا ہے۔اسے تو اپنا رکھتا ہی ہے ساتھ

ہی اس کے وہ دویت واد کے مسائل کو بیان کرتا ہوا بھی۔ ان سے اپنے ہی من مانے نتائج و معانی نکالتا جاتا ہے۔ اسی طرح دویت وادی بھی ادویت واد کے مسائل کو توڑ مروڑ کر بیان کرتا ہے۔ اور ان کے معنی اپنے ہی حسب منشا لگاتا ہے۔ یہ ایسے بزرگ مہاپرش تھے لیکن عیوب و خطا سے مبرا و منزا نہیں دیانت داری اسی میں ہے۔ کہ ان کی غلطیوں کا بھی اعتراف کیا جائے میری رائے میں انہوں نے صرف اسی بات میں غلطی کھائی ہے ہمیں اصلی مضامین و الفاظ کو توڑ مروڑ کر انہیں من مانے معنی پہنانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ نہ کسی طرح کے دھارمک داؤ پیچ۔ یا صرف و نحو کی باریکیوں میں ہی کھینچ تان کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس طرح ویدوں میں بیان کردہ خوبصورت خیالات کو سمجھ لینے میں ہمارے لیے کوئی بھی مشکل باقی نہیں رہتی؛

اپنشدوں کا مقصد

یہ سچ ہے کہ اپنشدوں کا مطلوبہ مضمون ایک ہی ہے۔ یعنی وہ کونسی صداقت ہے۔ جسے جان کر ہمیں اور کچھ بھی جاننے کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی؛ آج کل کے الفاظ میں اپنشدوں کا مقصد۔ جیسا کہ اکثر علوم کا مقصد ہوا کرتا ہے۔ کثرت میں وحدت کی تلاش ہے۔ اور اسی کو جان لینے کا نام علم یا گیان ہے سبھی گیان وگیان۔ اور علوم و فنون۔ کثرت میں وحدت کی تلاش کرتے ہوئے ہی حیران و پریشان ہو رہے ہیں؛

آج کی سچ وناچیز سائنس بھی تو چند ایک مادی اشیا میں کسی واحد اصولی

کی ہی تلاش کیا کرتی ہے ۔اب آپ خود ہی خیال کیجیئے۔ کہ اس لامحدود و بے شمار ناموں اور شکلوں والی دنیا میں۔ جہاں ہر شے اپنی شکل و صورت اور طاقت و قوت میں دوسری شے سے مختلف ہے۔ جہاں بے شمار قسموں اور ان گنت شکلوں کی چیزیں موجود ہیں۔ جہاں بے حساب ولاتعداد خیالات و جذبات اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ جہاں بے شمار سیارے ستارے۔ اور کرہ ہائے زمین۔ بلکہ آفتاب و مہتاب پھیلے ہوئے ہیں۔ اس وسیع ولامحدود کثرت میں وحدت کی تلاش ایک کتنا بڑا اور کیسا اہم مقصد ہے۔ اسی وحدت کا پتہ لگانا اور اس کی حقیقت کو ثابت کرنا اپنشدوں کا نصب العین ہے۔ اس تلاش میں بھی "ارندھتی نیائے" سے جس کی تشریح میں پہلے کر چکا ہوں۔ کام لیا گیا ہے۔ مثلاً کسی کو اگر دھرو قطب ستارہ دکھانا مطلوب ہے۔ تو پہلے اسکے پاس کا کوئی نہایت روشن ستارہ دکھایا جاتا ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ دیکھنے والے کی نظر کو دھرو تارے کے پاس لاکر وہیں مرکوز کر دیتے ہیں۔ یہی طریق ہم بھی اس تلاش میں اختیار کرینگے۔ میں اپنے خیالات کی صداقت ثابت کرنے کیلئے صرف اپنشدوں کے ہی ثبوت آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

کثرت میں وحدت کی تلاش!

اکثر ہر ایک ادھیائے کا آغاز ودیت وادی پراریتھنا سے ہی ہوا کرتا ہے اس کے بعد یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ ایشور اس دنیا کو پیدا کرتا ہے۔ وہی اس کی پرورش کرنے والا ہے۔ اور اسی میں آخر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بیرونی اور اندرونی قدرت

اور مادے کا مالک نیز تمام دنیا کا معبود اسے ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی ہستی اس مادے سے کہیں باہر ظاہر کی جاتی ہے۔ اس سے آگے ایک قدم اور بڑھا کر ہم اس کی عظمت کو بتلاتے ہوئے یہ دیکھتے ہیں کہ ایشور مادے سے باہر ہی نہیں۔ بلکہ اس کے اندر بھی رہا ہوا ہے۔ آخر میں یہ دونوں خیالات بھی ترک کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے ماسوا جو کچھ باقی رہ جاتا ہے۔ اسے ہی ایشور ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر ان تینوں میں کچھ بھی فرق باقی نہیں رہتا۔ آخر میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ "اے شویت کیتو! وہ تو ہی تو ہے" یعنی انسان کی آتما اور سرب دیاپک پرماتما دونو ایک ہی ہیں۔

اس میں کوئی بھی سمجھوتہ نہیں کیا گیا۔ دوسروں کے غلط اور بے بنیاد خیالات سے کوئی بھی ہمدردی نہیں کی گئی۔ ویدانت۔ بے لوث۔ پختہ اور مستحکم صداقت کا صاف اور بے لاگ الفاظ میں اعلان کرتے ہوئے ہیں کسی طرح بھی خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اور ایشور کی کرپا سے میں بھی یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس صداقت کا کامل بے خوفی کے ساتھ پرچار کرنے کی ہمت مجھ میں موجود ہے۔

دو ضروری باتیں

اچھا! اب آمدم برسر مطلب۔ اس سوال کو پوری طرح سمجھنے کیلئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک تو یہ سمجھ لیا جائے۔ کہ ویدانت کے تمام ہی مویدوں کا طریق استدلال ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ دوسرے دنیا اور پیدائش دنیا کے متعلق سب

کے خیالات ایک ہی نہیں۔ بلکہ جدا جدا ہیں۔ زمانہ حال کی نت نئی معلومات و ایجادات۔ آسمان سے برسنے والی بجلیوں کے کوندے کی مانند آپکو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔ جن باتوں کا آپ نے خواب میں بھی کبھی خیال نہ کیا تھا۔ وہ آج آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہیں۔ لیکن ان سب میں کام کرنے والی جو طاقت ہے۔ جسے انگریزی میں فورس (Force) کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے ایک عرصہ دراز ہوا حضرت انسان نے ڈھونڈھ نکالا تھا۔ مگر یہ ابھی کل کی ہی تحقیقات ہے کہ یہ معلوم ہو سکا ہے۔ کہ ان مختلف طاقتوں اور قوتوں کی کثرت میں بھی ایک وحدت کام کرتی ہے۔ انسان نے حال ہی میں پتہ لگایا ہے۔ کہ جن طاقتوں کو وہ ہیٹ (Heat) (حرارت) میگناٹزم (Megnetism) (مقناطیسی قوت) الیکٹریسیٹی (electrocity) (قوت برق) وغیرہ مختلف ناموں سے پکارتا ہے۔ وہ سب ایک ہی یونٹ فورس (Unite Force) واحد طاقت کی مختلف صورتیں ہیں۔ خواہ آپ ان کا کچھ بھی نام کیوں نہ رکھ لیں۔ لیکن یہ خیال ابھی تک بیج کی مانند اپنی ابتدائی حالت میں ہے۔ اور یہ قوت یا فورس کا خیال ابھی بیج ہی کی صورت میں ہے۔ یہ سب ہی طاقتیں خواہ انہیں کشش ثقل۔ برق۔ حرارت وغیرہ وغیرہ کسی بھی نام سے پکارو۔ درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ یہ سب ہیں حقیقتاً ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتیں۔ یا تو وہ ہمارے دل سے پیدا ہونے والے خیالات کی ہی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ یا انسان کی اندرونی طاقت کی شکل میں۔ جس کا منبع و مخرج انسان کی قوت تخلیق یا پران ہے ؟

پران کیا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ پران کیا ہے؟ پران ایک حرکت ہے۔ دھڑکن ہے۔ قیامت کے بعد جب یہ تمام کائنات اپنی ابتدائی شکل اختیار کریگی۔ تب اس لامحدود طاقت کا کیا حشر کیا ہوگا؟ کیا اس کا بھی خاتمہ ہوجائیگا؟ یہ تو ناممکن ہے۔ لیکن اگر اس کا خاتمہ بھی ہوجائے تو بھی وہ کسی اور طاقت کی لہر پیدا کرنے کی موجب بن جائیگی۔ کیونکہ طاقت ہمیشہ لہروں کی مانند اوپر نیچے اٹھتی بیٹھتی اور چڑھتی گرتی ہے۔

کائنات کے سلسلے کا اظہار سنسکرت کے "سرشٹی" لفظ سے ہوتا ہے جس کے معنی بنانے کے نہیں۔ بلکہ اٹھنے اور گرنے کے ہیں۔ ہر ایک چیز نشوونما حاصل کرتی ہوئی اٹھتی ہے اور اپنی آخری حد کو پہنچ کر پھر اپنی ابتدائی حالت کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور گرنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ پھر اپنی ابتدائی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ وہاں اسی حالت میں کچھ دیر تک ٹھیر کر وہ پھر اوپر کو اٹھنا شروع کر دیتی ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسی لئے سنسکرت میں اس دنیا کو سرشٹی کا نام دیا گیا ہے۔

پھر ان طاقتوں یا پرانوں کا کیا ہوتا ہے؟ وہ ابتدائی پران میں غائب ہو جاتے ہیں۔ اور وہ پران تقریباً غیر متحرک سا ہوجاتا ہے۔ یعنی بالکل ہی غیر متحرک نہیں۔ بلکہ غیر متحرک سا ہوجاتا ہے۔ سوکت میں اس کا بیان اسی طرح کیا گیا ہے "غیر متحرک سے وہ متحرک ہوگیا۔ ازلی اور انادی کی مانند" اپنشدوں

میں بہت سے فقرات ایسے ہیں۔ جن کے معنی نکالنے بہت مشکل ہیں۔ خصوصاً ان کے خاص الفاظ کے استعمال کے باعث۔ مثال کے طور پر "وایو" لفظ کو ہی لیجئے۔ جس کے معمولی معنی ہوا کے ہیں لیکن اپنشدوں میں کہیں اسکے معنی ہوا کے لگتے ہیں۔ اور کہیں چال کے۔ اکثر لوگ ایک کی بجائے دوسرے معنی لگا کر کچھ کا کچھ مطلب نکال لیتے ہیں۔ اس بات کو ہمیں ضرور دھیان میں رکھنا چاہیئے ۔

پران ہی ابتدائے آفرینش کا موجب ہے

وہ اس صورت میں قائم تھا۔ جسے تم دنیاوی مادہ کہتے ہو۔ اس کا کیا ہوتا ہے؟ تمام مادہ طاقتوں سے پُر ہے۔ جو ہوا میں غائب ہو جاتی ہیں۔ اور اسی میں سے پھر نمودار ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلے آکاش نکلتا ہے۔ آپ اسے ایتھر وغیرہ جو نام چاہے دے لیں۔ اس سے مقصد یہ ہے۔ کہ مادے کی ابتدائی شکل یہی آکاش خلا یا آسمان ہے۔ جب پران یعنی سانس لینے کا عمل آکاش میں ہوتا ہے۔ تب اس میں حرکت یا دھڑکن پیدا ہوتی ہے۔ جب دوسری سرشٹی نمودار ہونے کو ہوتی ہے۔ تب ہی دھڑکن زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ پھر یہ آکاش سینکڑوں لہروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ جنہیں ہم بعد میں سورج۔ چاند وغیرہ مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ غرضیکہ پرانوں کی حرکت سے ہی اس سرشٹی (دنیا) کی پیدائش ہے۔ اس فقرے میں سنسکرت کا لفظ "اے جاتی" آیا ہے۔ اس پہ خاص طور سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کی مادہ "ایج" ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ دھڑکن حرکت کرنا۔ "نسیر تم" کے معنی ہیں "نکلا ہے"۔ یعنی جو کچھ بھی یہ برہمانڈ ہے۔ وہ

سب پرانوں کی دھڑکن سے نکلا ہے"

لطافت سے کثافت کیسے پیدا ہوتی ہے

پیدائش عالم کے بیان کا یہ صرف ایک حصہ ہے۔ اس میں اور بھی بہت سی باریکیاں ہیں۔ مثلاً اس عمل کا مکمل بیان۔ کس طرح پہلے آکاش پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس میں سے کس طرح دیگر اشیا نکلتی ہیں۔ کس طرح آکاش میں حرکت یا دھڑکن پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے کیسے ہوا کی پیدائش ہوتی ہے؟ لیکن خاص قابل غور بات اس میں یہ ہے۔ کہ لطافت سے کثافت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ کثیف مادہ بیرونی ہے۔ وہ سب سے بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے لطیف مادہ کی پیدائش ہے پھر ایک کی ہی دو شکلیں ایسی ہو جاتی ہیں۔ جن میں کوئی بھی مشابہت اور یگانگت دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن ان میں پران اور آکاش کی ایکتا (وحدت) ہے۔ کیا اور بھی کسی چیز کی ایکتا ہے۔ کیا وہ ایک میں مل سکتے ہیں؟ ہماری سائنس یہاں آکر خاموش ہو جاتی ہے۔ سامنے ابھی آگے اپنا راستہ نہیں ملتا۔ اور ملے گا بھی تو وہی اپنشد والا جس طرح کہ اس سے پہلے بھی اسے ہمارے قدیم "پران" اور "آکاش" مل چکے ہیں دوسری وحدت اُس سرب و یاپک نرگن کی ہے۔ جس کا نام "مہت" ہے۔ اور جسے پرانوں میں چار منہ والا برہما کہا گیا ہے۔ یہاں ان دونوں کی مطابقت ہوتی ہے۔ جو تمہارا "مستشک" ہے۔ وہ اسی مہت کا قلیل ترین جزو ہے۔ اور ان سبھی دماغوں کے مجموعے کو "سمشٹی" یا کل کہتے ہیں۔ لیکن ابھی یہ تحقیقات مکمل نہیں ہوئی۔ یہاں ہماری حیثیت ان چھوٹے ذرات سے بڑھ کر نہیں۔ جن کی سمشٹی یہ برہما

لیکن جو کچھ جزو میں ہو رہا ہے ہم بغیر کسی خوف کے تعماس کہ سکتے ہیں۔ کہ باہر بھی ویسا ہی ہوتا ہوگا۔ اگر اپنے مستشک کے اعمال و افعال کے مشاہدے کی طاقت ہم میں ہوتی۔ تو شاید ہم یہ جان سکتے۔ کہ ان میں بھی ویسا ہی ہو رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ یہ دماغ ہے کیا؟ زمانہ موجودہ میں جب مغربی ممالک میں سائنس غیر متوقع طور پر ترقی کرتی ہوئی پرانے مذاہب کے قلعے پہ قلعے فتح کرتی جا رہی ہے۔ اور وہاں کے لوگوں کو کہیں قدم جمانے کو بھی جگہ نہیں ملتی۔ کیونکہ سائنس نے ہر قدم پر لوگوں کو یہ بتلایا ہے۔ کہ مستشک اور مادّہ ایک ہی ہے جس سے انہیں بڑی مایوسی ہوئی ہے لیکن ہندوستانی تو یہ راز پہلے سے ہی جانتے تھے۔ ایک ہندو لڑکے کو سب سے پہلے ہی سیکھنا پڑتا تھا۔ کہ مستشک مادے کی ہی ایک نہایت لطیف شکل ہے۔ بیرونی جسم تو کثیف ہے۔ اسکے اندر ایک لطیف جسم اور بھی ہے لیکن ہے وہ بھی مادی۔ کو کم کثیف۔ پر آتما وہ بھی نہیں ہے۔ (آتما کا میں انگریزی ترجمہ نہیں کہونگا) لیکن اسے یورپ میں کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ اس لئے اس کا ترجمہ بھی ہو نہیں سکتا۔ جرمن فلاسفروں نے اس کا مترادف لفظ "سیلف" (معنی خود) قرار دیا ہے۔ لیکن جب تک یہ سب کو تسلیم نہ ہو جائے۔ تب تک اس کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے خواہ اسے "سیلف" یا کسی بھی اور نام سے پکار دیجئے۔ ہے وہ یہ ہماری آتما ہی۔ غرضیکہ جسم لطیف کے پیچھے یہ آتما ہی اصلی انسان ہے اور آتما ہی کثیف مستشک ہے۔ جو انتہ کرن سے (یہ بھی اسی کا ایک خاص نام ہے) سب کام کراتی ہے لیکن مستشک اندرونی اندریوں کے ذریعہ ہماری بیرونی اندریوں

سے کام کرتا ہے۔ یہ ستتشک ہے کیا ؟ مغربی فلاسفروں نے تو ابھی کل ہی یہ جانا ہے۔ کہ یہ آنکھیں ہی دیکھنے کا حقیقی ذریعہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے پس پردہ وہ اندرونی اندریاں ہیں۔ جن کے فاش ہو جانے پر اگر ہمارے اندر کی مانند ہزار آنکھیں بھی ہوں۔ تو بھی ہم کچھ نہ دیکھ سکینگے۔ یہی تو ہمارا تمام فلسفہ ہے۔ ہمارا یہ تمام فلسفہ شروع ہی اس خیال سے ہوتا ہے۔ کہ آنکھوں کی یہ بصارت حقیقی بصارت نہیں۔ بلکہ سچی بصارت ستتشک کی اندرونی اندری سے ہی ہے۔ اسے آپ بھی چاہیں کہہ لیں۔ لیکن بات اصلی یہ ہے کہ ہماری ناک کان۔ آنکھیں وغیرہ ہماری حقیقی اندریاں (حواس) نہیں ہیں۔ ان سبھی اندریوں اور من بدھی۔ چت اہنکار کا ہی ایک مشترکہ نام "ستتشک" ہے۔ اسلیئے اگر سائنس کا کوئی موجودہ عالم ہم سے آ کر یہ کہتا ہے۔ کہ انسان کا دماغ ہی ستتشک ہے۔ اور وہ انہی اندریوں سے بنا ہے۔ تو تم اس سے یہ کہہ دو۔ کہ ہمارے یہاں کے عالم ہمیشہ سے ہی یہ جانتے تھے۔ اور صرف یہی خیال ہمارے دھرم کی محض ابجا یعنی ابتدا ہے۔

چت من بدھی انہکار اور انتہ کرن

اچھا تو اب سمجھنا یہ ہے کہ چت من۔ بدھی۔ اور اہنکار وغیرہ کے معنی کیا ہیں؟ پہلے چت کو ہی سمجھیئے۔ یہی ستتشک یا دماغ ہے۔ یہ مہت کا ایک حصہ ہے ستتشک اور اسکی تمام حالتوں کا علم چت ہی سے ہوتا ہے۔ فرض کر لیجیئے کہ ایک جھیل ہے۔ جو شام کے وقت بالکل پرسکون ہے۔ اس میں ایک چھوٹی سی

بھی لہر نہیں اٹھتی۔ یہی چت ہے۔ اب اگر اس میں کوئی چھوٹا سا کنکر پھینک دیا جاتا ہے۔ تو کیا ہوتا ہے۔ پہلے پانی میں پتھر گرنے کا فعل ہوتا ہے۔ پھر پانی میں ہی پتھر کے خلاف ردعمل ہوتا ہے۔ جو ایک لہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے پہلے پانی میں تھوڑی سی حرکت ہوتی ہے۔ پھر فوراً ہی اس کا ردعمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ تمام تالاب لہروں سے بھر جاتا ہے۔ ہمارا چت بھی اسی جھیل کی مانند ہے۔ اور بیرونی اشیا کا خیال اس میں پھینکے ہوئے پتھروں کی مانند جیسے ہی ہمارے چت کا محسوسات کے ذریعہ بیرونی اشیا سے تعلق پیدا ہوتا ہے ویسے ہی وہاں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بیرونی اشیا کے خیال کو اندر لے جانے کیلئے احساسات کی ضرورت ہے۔ یہ حرکت بھی مانس یا من کی حرکت ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ غیر یقینی اور مذبذب حالت کی مانند ہوتی ہے۔ اس کے بعد ردعمل یا یقینی حالت پیدا ہونے کا عمل ہوتا ہے۔ جو طاقت وہ حالت پیدا کرتی ہے۔ وہی بدھی ہے۔ اس کے ساتھ اہم یا انانیت اور خودی پیدا ہو کر بیرونی شے کا علم مکمل ہو جاتا ہے۔ اب مثال کے طور پر یہ فرض کیجئے۔ کہ میرے ہاتھ یا پیر پر ایک مچھر بیٹھا ہے۔ اندریاں یعنی حواس لمس (چھونے) کے ذریعہ اسکے باعث میری جلد میں کسی قدر سنسنی سی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس میں کسی قدر حرکت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غیر یقینی من ہے۔ بعد ازاں اس حرکت کا ردعمل ہو کر مجھے اس مچھر کے بیٹھنے کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اسے اڑا دینا چاہیئے۔ اسی طرح اس چت میں جو ایک جھیل کی مانند ہیں۔ خیالات اور احساسات کے پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ پانی کی جھیل میں پتھر باہر سے پھینکے جاتے ہیں۔ اور اس چت

کی جھیل میں اندر سے ۔ اسی کا نام انتہ کرن بھی ہے ۔

موتی اور برہمانڈ

ساتھ ہی اس کے آپ کو ایک بات اور بھی بتلا دوں ۔ یہ آپ کو ادویت باد کے سمجھنے میں بہت مدد دیگی ۔ آپ میں سے اکثر نے موتی دیکھے ہوں گے ۔ اور اکثر کو یہ بھی معلوم ہوگا ۔ کہ موتی کس طرح بنتے ہیں ؟ سیپ کے اندر جب ریت کا کوئی ذرہ چلا جاتا ہے ۔ تو سیپ میں رہنے والے کیڑے کو تکلیف محسوس ہوتی ہے ۔ اس سے جسم میں اس کے خلاف ردعمل شروع ہوتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ اس تکلیف سے بچنے کیلئے وہ اس ذرے کو اپنے لعاب سے لپٹنا شروع کرتا ہے ۔ جو اکٹھا ہوتا ہوتا موتی بن جاتا ہے ۔

یہ برہمانڈ بھی اسی موتی کی مانند ہے ۔ اس کے بنانے والے ہم ہی ہیں ۔ بیرونی دنیا سے صرف ہمارے چت پر تھپیڑے لگتے رہتے ہیں ۔ جس سے اس میں ردعمل پیدا ہوتا ہے ۔ اور جب بدھی کام کرتی ہے ۔ تب ہم اس بیرونی دنیا کو جان سکتے ہیں ۔ اس دنیا کا ہمارے دماغ پر جو اثر پڑتا ہے ۔ اسے ہی ہم سنسار سمجھتے ہیں ۔ اس کی شکل و صورت کا تعین ہمارا استھنک ہی کرتا ہے ۔ اس لئے آج کل کی علمی معلومات کے زمانے میں بیرونی دنیا کی صداقت میں یقین کو دل رکھنے والے کو اس کے سمجھنے میں کچھ بھی شک شبہ نہ ہوگا ۔ کہ اگر دنیا کا رقبہ "ک" ہے تو ہمارے دماغ کی وسعت اتنی زیادہ ہے ۔ کہ اس نے اس "ک" کو ڈھانپ لیا ہے لیکن اس "ک" کا عرض و طول نامعلوم و ناقابل علم ہے ۔ اسکے متعلق جو کچھ

بھی ہم جانتے ہیں۔ وہ سب ہمارے مستشک کی ہی ساخت و پرداخت ہے ۔
اسی طرح اندرونی دنیا کے متعلق ہماری آتما کے بارے میں بھی خیال کرو
آتما کے متعلق کچھ جاننے کے لئے بھی ہمیں اپنے مستشک کے ذریعے ہی اس کا علم حاصل
کرنا پڑیگا۔ اور ہمیں آتما کے متعلق جو کچھ بھی کم و بیش معلوم ہے۔ وہ ویسا ہی ہے۔ جیسا
کہ مستشک نے اسے گھڑا یا قیاس کیا ہے۔ اس مسئلہ پر ہم تفصیل کے ساتھ پھر
کبھی غور کرینگے۔ اسوقت تو ہمیں صرف اتنا ہی یاد رکھنا چاہیئے ۔

جسم کی مشابہت دریا سے

دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے۔ کہ یہ جسم درحقیقت مادے کی ایک بہتی
ہوئی دھارا ہے۔ ہر لمحہ اس میں کچھ نہ کچھ شامل ہوتا جاتا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ اس
میں سے زائل بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک بڑے بہتے ہوئے دریا میں
سینکڑوں من پانی لمحہ بہ لمحہ اپنی جگہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔ وہی حال ہمارے
جسم کا بھی ہے۔ اسی خیال اور اسی مشابہت سے ہم اسے بھی ایک "دریا" ہی
کہہ سکتے ہیں۔ لیکن دریا ہے کیا؟ اس میں لمحہ بہ لمحہ پانی بدلتا رہتا ہے۔ اسکے
کناروں کے ذرات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اسکے کناروں پر اُگے ہوئے درخت
پھول پھل۔ پتے۔ گھاس سبھی کچھ بدلتے رہتے ہیں۔ پھر دریا ہے کہاں؟
درحقیقت اس تبدیل ہوتی رہنے والی چیز کا نام ہی تو دریا ہے۔ ہمارے مستشک
کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ یہی بودھوں کا "کشنک وگیان واد" یا لمحی علم کا
مسئلہ ہے۔ جس کا سمجھنا کچھ آسان نہیں۔ اسے نہایت زبردست دلائل و منطق

سے ثابت کیا گیا ہے ÷

گشنک وگیان اور ادویت واد

ہندوستان میں ہی ویدانت کے چند ایک مسایل کی مخالفت میں اس مسئلہ
کا جنم ہوا تھا۔ اس لئے اس کا جواب دینا بھی نہایت ضروری تھا۔ اب میں آپ کو
بتلاؤں گا۔ کہ کس طرح اس کا جواب صرف ادویت واد ہی دے سکتا ہے۔ اس سے
یہ بھی ظاہر ہوگا کہ عوام میں ادویت واد کے متعلق عجیب وغریب نیز خوفناک خیالات
موجود ہوتے ہوئے بھی۔ صرف ادویت واد ہی دنیا کو مکتی کا راستہ دکھلا سکتا ہے۔
کیونکہ دلیل اور منطق کی مدد سے تو دنیا کی گتھیوں کا حل محال ہے ÷
دویت واد کے مختلف طریقے پرارتھنا اپاسنا کیلئے تو بہت اچھے ہیں۔
کیونکہ انسان کے دل کو ان سے بہت کچھ شانتی و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔
اور شاید آتم گیان۔ علم ذات کی ترقی میں بھی اس سے بہت کچھ مدد ملتی ہے۔ لیکن
اگر انسان کی یہ خواہش ہو۔ کہ وہ دھرم کو صرف دلیل اور منطق کی مدد سے ہی سمجھے
اور مانے۔ تو اس کیلئے دنیا بھر میں صرف ایک ادویت واد ہی قابل تسلیم دھرم رہ
جاتا ہے ÷

گشنک وگیان کا مسئلہ کیا ہے

اب اسی گشنک وگیان واد یا لمحی علم کے مسئلہ کو ہی لے لیجئے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ
انسانی منتشک یا دماغ ایک ایسی ندی کی مانند ہے۔ جو ایک طرف سے تو برابر بھرا

کرتی ہے۔ اور دوسری طرف سے خالی ہوتی رہتی ہے۔ پھر انہیں وہ وحدتِ وجود کہاں۔ جسے ہم آتما کا نام دیتے ہیں؛ خیال یہ تھا کہ جسم اور دماغ کے ذرات میں ہر لمحہ تبدیلی ہونے کے باوجود بھی دنیا کے متعلق ہمارے خیالات ناقابلِ تغیر ہیں۔ اطراف و جوانب سے نور کی شعاعیں آ کر۔ اگر کسی ایسے پردے۔ دیوار یا اور چیز پر گریں۔ جو ساکن ہو۔ تب ہی وہ ایک مرکز پہ قائم اور کامل طور پر مجتمع ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں وہ مقام یا چیز کیا ہے۔ جس پر حواسات انسانی مرکوز ہو کر۔ اسکے تمام خیالات میں وحدت و تکمیل پیدا ہو سکتی ہے؛ یہ مقام دماغ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کے ذرات میں بھی ہر لمحہ تبدیلی جاری رہتی ہے۔ اسلئے کوئی ایسی شے ضرور ہونی چاہئے۔ جو نہ تو جسم ہی ہو۔ اور نہ دماغ ہی جس میں کبھی کوئی تغیر و تبدل بھی نہ ہوتا ہو۔ اور جس پر ہمارے جملہ خیالات و تاثرات جمع ہو کر وحدت و تکمیل حاصل کر سکیں۔ یہ شے انسان آتما یا روح ہی ہے۔ اسکے سوا اور کچھ نہیں؛

آتما لافانی و لازوال ہے

یہ دیکھتے ہوئے۔ کہ تمام مادی اشیا۔ خواہ وہ کثیف ہوں یا لطیف۔ خواہ انہیں جسم کہو یا دماغ۔ تغیر پذیر ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں یہ کثیف مادہ نیز اس کی بنی ہوئی تمام اشیا محض لمحی ہیں۔ وہ ناقابلِ تغیر آتما کسی بھی مادی شے سے بنی ہوئی نہیں ہو سکتی۔ یعنی وہ آتما ہی ہے۔ مادہ نہیں۔ اس لئے لافانی و لازوال ہے؛

اب سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ اس بیرونی دنیا کو کس نے بنایا ہے؟ اس دنیاوی مادے کی خلقت کس سے ہے؟ ان اور ایسے ہی بہت سے سوالات کو جو اس دنیا سے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ چھوڑ کر۔ ایک دوسرا سوال اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ حقیقت وحدانیت کو ایک انسان اپنی اندرونی طاقت یا خصلت سے کیسے جان سکتا ہے؟ یہ سوال بھی بالکل اسی طرح اٹھتا ہے۔ جیسے کہ آتما کے متعلق پیدا ہوا تھا۔ یہ تسلیم کر لینے پر کہ ہر ایک انسان میں ایک لافانی ولازوال آتما موجود ہے۔ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ ان سب آتماؤں میں خیالات کی یکسانیت اور ہمدردی بھی ہو۔ میری آتما کس آلہ کی امداد سے آپ کی آتما پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے؟ میرے دل میں آپ کی آتما کے متعلق کوئی خیال کیسے پیدا ہوتا ہے؟ وہ کیا شے ہے۔ جس کا تعلق ہم دونوں کی آتماؤں سے یکساں و مشترکہ ہے؟ اسلئے علمی نقطہ خیال سے بھی اس امر کی سخت ضرورت ہے۔ کہ کسی ایسی آتما کو مانا جائے جس کا تعلق سبھی آتماؤں اور مادے سے یکساں و مشترکہ ہو۔ جو ان بے شمار آتماؤں میں یکساں طور پر رما اور بسا ہوا ہونے کے باعث ان میں باہمی ہمدردی اور محبت پیدا کرتا ہو۔ اور ایک سے دوسرے کیلئے کام کرتا ہو۔ وہ بھی آتماؤں میں یکساں طور پر پھیلا ہوا اور سب کا معبود دیوتا پرماتما ہی ہے۔ ساتھ ہی اسکے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ کہ چونکہ آتما کثیف مادے کے بھی ماتحت نہیں اس لیئے وہ اس کے قواعد و احکام کی بھی پابند نہ ہو گی۔ اور یہ تمام مادی اصول اسپر عائد نہ ہو سکیں گے۔ اسی لیئے وہ لازوال و لافانی ہے۔ اسی لیئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ

آتما مرتی نہیں جسم کو چاہے مارو!
لوہے کی آگ کا پانی کی یہاں مار نہیں!

اس آتما کو نہ ہتھیار کاٹ سکتے ہیں۔ نہ آگ جلا سکتی ہے۔ نہ پانی تر سکتا ہے۔
اور نہ ہوا خشک کر سکتی ہے۔ آتما نہ جلائے جاتے لائق ہے نہ کاٹے جانے لائق۔ نہ خشک
ہونے والا ہے اور نہ تر ہی ہونے والا۔ یہ دائم قائم ہے۔ لامتحرک ہے۔ قدیم بالذات
(سناتن) ہے۔ اور ہر جا حاضر ناظر یا سرب ویاپک ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ ہمارے ہندوستان ہی میں ایسے مت بھی ہیں۔ جو آتما کو "انو" یا ذرے کی مانند
سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کا مقصد در حقیقت یہ ہے۔ کہ اپنے اظہار کے خیال سے وہ
"ذرے" کی مانند لطیف ہے لیکن اس کا حقیقی خاصہ "وبھو" یعنی محیط کل ہے!

ایولیوشن تھیوری یا مسئلہ ارتقا

اس کی ساتھ ہی ایک دوسرا خیال بھی پیدا ہوتا ہے۔ جو بادی النظر میں
اگرچہ کچھ عجیب وغریب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن در حقیقت ہمارے ہندوستان
اور ہم ہندوستانیوں کیلئے یہ محض قدرتی و طبعی ہے۔ کیونکہ ہمارے سبھی مت
متانتروں میں وہ موجود ہے۔ اس لئے میں آپ سے اس کی طرف خاص توجہ
دینے اور اسے خاص طور پر یاد رکھنے کی درخواست کرتا ہوں۔ مغرب میں جس
مادی ایوولیوشن (Euvolaton) یا مسئلہ ارتقا کا جرمن اور انگریز
فلسفیوں نے بالخصوص اور دیگر یوروپین و امریکن فلاسفروں نے عموماً پرچار
کیا ہے۔ اس سے آپ سب اچھی طرح واقف ہوں گے۔ ان کا عقیدہ ہے

کہ مختلف جانوروں کے جسم درحقیقت ایک ہی ہیں۔ صرف ایک ہی سلسلہ نشوونما میں ان کے اندر فرق و تفاوت پڑتا جاتا ہے۔ اور وہ ایک سے دوسری شکل میں بدلتے جاتے ہیں حتیٰ کہ آخر میں ایک جگہ پہنچ کر وہ مکمل ہو جاتے ہیں۔ یہ خیال ہمارے لئے کچھ بالکل ہی نیا نہیں۔ بلکہ ہمارے ملک میں صدیوں پہلے سے ہی موجود ہے۔ مہرشی پتنجلی نے اپنے سوتروں میں لکھا ہے۔ کہ "ایک جاتی (جنس، نتیجے کے طور پر دوسری میں تبدیل ہوتی ہے" اب بتلایئے ہمارے اور اہل مغرب کے خیالات میں کیا تفاوت رہا؟

مغربی علما کا خیال ہے کہ جنگ حیات کی کشمکش اور جرمانے کے تعلقات سے ایک جسم دوسرے جسم کی شکل میں اپنی صورت تبدیل کر لیتا ہے۔ لیکن ہمارے رشی ایک اور اس سے بھی زیادہ خوبصورت خیال پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "پرکرتی یعنی مادے کی تکمیل سے بھی یہ تبدیلی ہوتی ہے" اب اس کا مدعا کیا ہے؟ ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ ایک نہایت ہی چھوٹے کیڑے کے جسم میں جو آتما ہوتی ہے۔ وہی آہستہ آہستہ نشوونما حاصل کر کے بدھ کے درجے کو پہنچ کر مکتی اور نجات حاصل کر لیتا ہے۔

کوئی نامکمل مشین کام نہیں کر سکتی!

لیکن ساتھ ہی اس کے ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ کسی جسم کی مشین سے بھی تم اپنی منشا کے مطابق پورا پورا کام اسوقت تک نہیں لے سکتے جب تک کہ وہ مکمل نہ ہو جائے۔ اگر تم ایک طرف اس طاقت کی ایک خاص مقدار رکھنا چاہتے ہو۔ تو دوسری طرف بھی تمہیں طاقت کی وہی مقدار رکھنی پڑیگی خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو؛

اس لئے اس سلسلۂ تبدیلی کے ایک طرف اگر کوئی بدھ جیسی نشوونما یافتہ آتما ہے اور دوسری طرف کوئی غیر نشوونما یافتہ بیج و ناچیز جاندار۔ تو لازمی طور پر وہ نشوونما یافتہ طاقت اور غیر نشوونما یافتہ طاقت اپنی مقدار کے لحاظ سے برابر ہی برابر ہونگی خواہ ان کی شکل کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح یہ برہمانڈ اگر اس وقت کسی لامحدود طاقت کی نشوونما یافتہ حالت کا اظہار کر رہا ہے۔ تو لازمی طور پر قیامت کے بعد اسکی اپنی مقدار کے لحاظ سے وہ مکمل طاقت اپنی اسی غیر نشوونما یافتہ حالت میں تبدیل ہو جائیگی۔ جس میں کہ وہ ابتدائے آفرینش میں موجود تھی۔ اس کے سوا کوئی اور حالت ہونی ہی ناممکن ہوگی ؞

اس سے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اگر آتما لامحدود ہے۔ تو اس ناچیز سے ناچیز کیڑے تک کے جسم سے لیکر۔ جو آپ کے قدموں میں رینگتا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے اولیا و انبیا۔ مہاتما اور مہاپرش کے جسم تک میں بھی وہی لامحدود طاقت۔ لامحدود پاکیزگی اور دیگر تمام لامحدود اوصاف موجود ہیں۔ جن سے کہ ایک آتما متصف ہے اختلاف صرف ان کی ظاہری شکل و صورت کا ہے۔ کیڑا صرف اس کی نہایت ہی قلیل و محدود طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ آپ اس سے کسی قدر زیادہ اور بدھ جیسا ایک مہاپرش بہت ہی زیادہ۔ فرق صرف اتنا ہی ہے۔ لیکن ہے ضرور ؞

ایک لامحدود طاقت کا مخزن ہمارے ساتھ ہے

پتنجلی مہاراج فرماتے ہیں "جیسے کسان اپنا کھیت سینچتا ہے"۔ یعنی ایک کسان کو اپنا کھیت سینچنے کے لئے پانی کے ایک ذخیرے سے پانی حاصل

کرنا پڑتا ہے۔ جس میں فرض کر لیجئے کہ ایک باندھ بند ھا ہے۔ اور اس کے باعث پانی کھیت میں اپنی پوری تیزی کے ساتھ نہیں آسکتا۔ لیکن جب اسے پوری تیزی کے ساتھ پانی لینے کی ضرورت ہوگی۔ تو اسے صرف وہ باندھ کاٹ دینا پڑیگا۔ پانی خود بخود پوری تیزی سے اس کے کھیت میں آکر اسے سیراب کر دیگا۔ یہ پانی کی طاقت کہیں باہر سے نہیں لائی گئی۔ اس ذخیرے میں پہلے سے ہی موجود تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا۔ کہ وہ باندھ کاٹ ڈالا گیا۔ اور گھنٹوں میں سیراب ہونے والا کھیت منٹوں میں سیراب ہو گیا۔

اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک ایسا ہی لامحدود طاقت۔ پاکیزگی علم۔ مسرت اور لازوال زندگی کا وسیع سمندر موجود ہے۔ صرف ہم اپنی ان جسمانی بندشوں کے باعث جو اس پانی کے بند کی مانند ہیں۔ اپنی طاقت کے کمال کو محسوس نہیں کر سکتے۔ جیسے ہی ہماری جسمانی کثافت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور اسکی لطافت بڑھتی جاتی ہے۔ ویسے ہی ہم اپنی حقیقت اور قوت کے درجہ کمال کو بھی محسوس کرتے جاتے ہیں۔ ویسے ہی ہمارا تموگن رجوگن میں اور رجوگن ستوگن میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ ویسے ہی ہماری یہ طاقتیں۔ یہ قوتیں۔ یہ پاکیزگی اور بھی زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی جاتی ہیں۔

بال بواہ کی فلاسفی پر ایک نظر

اسی لئے ہمارے ہاں کھانے پینے کے متعلق اتنی پابندی اور اتنی بندشیں مدنظر رکھی گئی ہیں۔ یہ عین ممکن ہے۔ کہ ان بندشوں اور پابندیوں کے متعلق

حقیقی وجوہات وو لایں آج کسی کو معلوم نہ ہوں۔ جیساکہ بال بیاہ کے متعلق حالت ہے۔ یہ مضمون اگرچہ بالکل غیر متعلقہ ہے۔ لیکن مثال کے طور پر اس کا کچھ ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ اگر موقع ملا تو میں پھر کبھی ضرور اس اور ایسے ہی بہت دیگر مسائل کے متعلق آپ سے مفصل ذکر کروں گا۔ اسوقت آپ مختصراً یہی سمجھئے کہ بال بیاہ کے پس پردہ جو نیک خیالات پوشیدہ ہیں۔ ان سے آپ سچی تہذیب کا ایک گراںبہا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ جو شاید اور کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتا ؛

وہ سبق یہ ہے کہ اگر آپ سوسائٹی میں مردوں اور عورتوں کو اپنا جوڑا آپ تلاش کرنے کی کھلی اجازت دے دینگے۔ تو انہیں افرادی طور پر اپنے جذبات شہوانی کی سیری کیلئے ایک نہایت وسیع و فراخ میدان مل جائیگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ان کی اولاد نہایت مغلوب الشہوت اور بد کردار پیدا ہوگی۔ دیکھئے یہی باعث ہے۔ کہ آج کل انسان ہر ملک اور ہر قوم میں ایسی ہی اولاد پیدا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنے ہر طرح کے حقوق کی حفاظت کیلئے پولس اور فوج کی تعداد میں روز افزوں اضافہ کی ضرورت ہے لیکن بدی اور گناہوں کا قلع قمع فوج اور پولس کے اضافے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیں اسے بیخ و بنیاد سے اڑا دینے کی ضرورت محسوس کرنا پڑتی ہے جب تک کسی سوسائٹی میں آپ کی ہستی موجود ہے۔ تب تک آپ کے شادی بیاہ کے تعلقات بھی سوسائٹی کو ضرور متاثر کرتے رہیں گے۔ اور سوسائٹی کا کوئی فرد بھی کسی صورت میں ان سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اس لئے سوسائٹی کو

بہر صورت یہ اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ آپ کس سے شادی کریں اور کس سے نہ کریں۔ بس! اتنے سے ہی یہ سمجھ لیجئے۔ کہ بال بواہ کی بنیاد بھی ایسے ہی خیالات پر مبنی تھی۔ اسی لئے لڑکے لڑکی کے جنم پتر وغیرہ ملائے جاتے تھے ❊

بھگوان منو کا فتوے تو یہ ہے۔ کہ دنیا میں جو بچہ بھی شہوت رانی کے نتیجے کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ کبھی آریہ یعنی بہتر و افضل انسان ثابت نہیں ہو سکتا۔ سچا آریہ تو وہی ہے۔ جس کی پیدائش اور موت ویدوں کے احکام کی تعمیل اور مختلف انسانی و مجلسی فرائض کی تکمیل کا نتیجہ ہو۔ یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جبکہ صرف شادی اور بیاہ ہی نہیں بلکہ اس کے بعد گربھادھان سنسکار وغیرہ میں بھی سوسائٹی کی بہتری و بہبودی کا پورا پورا خیال مد نظر رکھا جائے اور صرف اپنے جذبات حیوانی و خواہشات شہوانی نیز مطلب پرستی و خودغرضی کی سیری ہی مطلوب نہ ہو ❊

اس قسم کی افضل و اعلیٰ اولاد اب ہر ملک و جماعت میں نہایت ہی کم تعداد میں پیدا کی جاتی ہے۔ اور یہی باعث ہے۔ کہ آج کل دنیا میں ہر جگہ گوناگون برائیاں روز افزوں طاقت حاصل کر رہی ہیں۔ اسے ہی ہماری اصطلاحی زبان میں کلجگ میں کہتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم لوگوں میں بھی آج کل یہ خیالات روز بروز مفقود ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہم بھی اصلیت و حقیقت کو بھول کر صرف لکیر پیٹنے والے ہی رہ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ صرف یہی نہیں کہ ہم ان خیالات کی مناسب طور پر پیروی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم نے ان میں سے اکثر کو من مانے طور پر کھینچ تان کر صرف تماشہ ہی بنا دیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ہمارے ملک میں

بھی اب ماں اور باپ ویسے نہیں رہے۔ جیسے کہ پہلے تھے۔ نہ ہماری مجلسی حالت ہی پہلے جیسی مہذب اور نکتہ رس رہی ہے۔ نہ ہم میں وہ اتفاق و اتحاد اور محبت و الفت ہی رہی ہے۔ مگر پھر بھی ہمارے مختلف اصولوں اور مختلف مسئلوں کی صداقت و عظمت میں کسی طرح بھی کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی مسئلہ کی پیروی میں ہم سے کوئی نقص رہ گیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہیں ہوا۔ اگر ہم سو ایک ہی نہیں بلکہ متعدد مرتبہ بھی۔ کوئی کام صحیح طور سر انجام دینے میں غلطی ہوتی رہی ہے۔ تو اس سے اس مسئلہ یا اسکی صداقت میں کوئی بھی نقص پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسے کیوں ایک دم تلانجلی دے دی جائے۔ اور اس کی صداقت سے ہی منہ موڑ لیا جائے۔ ایک مرتبہ پھر کوشش کرو! پھر کوشش کرو!! اور پھر کوشش کرو!!!

اسی طرح کھانے پینے کے متعلق بھی سمجھ لیجئے۔ کسی خاص عقیدے کے مطابق سر انجام دیا ہوا کام اگر بے شمار نقائص اور خامیوں سے پر بھی ہو۔ تو بھی اس سے اس عقیدے کی صداقت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ وہ اٹل اور لافانی ہی ہے غلطی تمہاری ہے۔ اس لئے اپنی غلطی کی اصلاح مدنظر رکھ کر پھر کام کرو۔ اور اسی طرح اسوقت تک کرتے رہو۔ جب تک کہ وہ غلطی دور نہ ہو جائے۔

آتما کی ہستی کے متعلق مختلف خیالات

ہمارے ہندوستان میں آتما یا روح کی اس عظیم الشان ہستی کو سبھی مذاہب تسلیم کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ دوئت وادی یعنی خدا اور روح کو الگ الگ ماننے والے بتاتے ہیں۔ کہ گناہ آلود افعال کرنے سے آتما کمزور ہو جاتی ہے۔ اسکی

طاقتوں اور حیثیتی خصلتوں میں ایک قسم کی تنگی واقع ہو جاتی ہے - اور نیک افعال -
پنپہ کرم کرنے سے - وہی اس کی حقیقی و ابتدائی طاقتیں پھر سے حاصل ہوتی جاتی
ہیں - بہ خلاف اس کے ادویت وادی یا ہمہ اوست کے پیرؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ
روح کبھی گھٹتی بڑھتی یا کمزور اور طاقتور نہیں ہوتی - گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے
ان دونوں نکتہ ہائے خیال میں فرق صرف اتنا ہی ہے - مگر تمام مذاہب کو یہ تسلیم
ہے کہ آتما کی سب طاقتیں اس میں ہر وقت موجود رہتی ہیں - کہیں باہر سے ان میں
کچھ اضافہ نہیں ہوتا - وید پرماتما کے پیدا کئے ہوئے نہیں - بلکہ آتما کے پیدا کئے ہوئے
ہیں - وہ کہیں باہر سے نہیں آئے - بلکہ ہر ایک کی آتما میں رہنے والے لافانی دھرم
ہیں - ایک دیوتا اور ایک چیونٹی کی آتما دونوں میں ہی وید بالکل یکساں طور پر موجود ہیں -
فرق صرف اتنا ہے - کہ چیونٹی نشو و نما حاصل نہیں - اس کے نشو و نما پاکر کسی مہاتما
یا رشی کا جسم حاصل کی کسر ہے - وید یا ویدوں کا وہ امر دھرم خود بخود اسے ظاہر ہو
جائے گا -

ہماری نجات ہمارے اندر ہی ہے

اسی طرح گیان کا بھی یہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے - کہ ہماری طاقت در حقیقت
ہماری ہی ہے - ہماری نجات بھی ہمارے اندر ہی موجود ہے - خواہ یہ کہہ لو کہ آتما تنگ
ہو جاتی ہے - یا یہ مان لو کہ آتما پر مایا کا پردہ پڑ جاتا ہے - بات ایک ہی ہے - مطلب دونو
کا ایک ہے - ان میں کوئی خاص فرق نہیں - آپ کو اس پر یقین کرنا چاہئے - اور یہ
ماننا چاہئے - کہ جو فعل ایک بدھ دیو کے لئے ممکن ہے - وہی ایک چھوٹے سے چھوٹے

انسان کے لئے بھی ممکن ہے۔ آتما کا مسئلہ صرف یہی۔ اتنا ہی ہے ؛

بودھوں کا ایک منطقی حملہ

لیکن اب ایک مہیب جنگ شروع ہو گئی۔ ہمارے سامنے بودھ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو ہماری ہی مانند جسم کو مادے کی ایک بہتی ہوئی دھارا مانتے ہیں اور دماغ کا تجزیہ ہماری ہی مانند کرتے ہیں۔ لیکن روح یا آتما کے بارے میں وہ کہتے ہیں۔ کہ اس کی ہستی تسلیم کرنے کی کوئی خاص ضرورت ہی نہیں۔ کسی با صفت چیز یعنی موصوف کا قیاس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ؛ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ کہ صرف صفات کو ہی مانو۔ جہاں ایک چیز کے ماننے سے ہی کام چل سکتا ہے۔ وہاں دو کو ماننا بعید از عقل اور خلاف منطق ہے۔ اسی طرح دیر تک کشمکش ہوتی رہی۔ آتما کے متعلق جتنے بھی مسئلے تھے۔ سب پر آخر بودھوں نے فتح حاصل کر لی۔ جو مذاہب آتما کی ہستی تسلیم کرتے تھے جو یہ مانتے تھے کہ ہمارے جسم میں روح کوئی اس سے علیحدہ چیز ہے۔ ان میں کھلبلی مچ گئی ؛

اب تک ہم یہ دیکھتے آئے ہیں۔ کہ دویت وادیوں کا خیال صحیح ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ کیونکہ اول ایک جسم ہے۔ اس کے بعد لطیف دماغ اس کے بعد آتما یا روح اور ان سب آتماؤں میں پھیلا ہوا ایک پرماتما۔ مگر یہاں اب یہ مشکل آپڑی ہے۔ کہ آتما اور پرماتما دونوں ایسی مسلمہ ہستیاں ہیں۔ جن کے جسم اور دماغ صفات کی مانند ہی نظر آنیوالے نہیں۔ کسی نے انہیں دیکھا تو ہے ہی نہیں۔ نہ ان کا کچھ قیاس ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے بودھ کہتے ہیں۔ ان کے متعلق کچھ غور و خوض کرنے سے حاصل ہی کیا ہوگا ؟ لہذا کیوں نہ شنک وادی بودھوں، ویدپیریوں کی مانند یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جو کچھ

بھی ہے ۔ ہمارے دماغ میں اس سلسلہ تغیر کا محض عکس ہی ہے ۔ ورنہ تغیر کی کسی ایک حالت کا دوسری حالت سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ سمندر کی لہروں کی مانند وہ حالتیں بھی صرف ایک دوسرے کی پیروی ہی کرتی ہیں مگر کبھی کسی مجموعی وحدانیت ۔ یا کسی ایک ہستی کی تکمیل کا باعث نہیں ہوتیں ۔

بودھوں کے مقابلہ میں دویت وادی کمزوری

انسان بھی اسی طرح ان لہروں کی پیروی کرتے ہیں جس طرح ایک لہر آتی ہے اور چلی جاتی ہے ۔ اسی طرح انسان بھی آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ۔ اور جب اس سلسلہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ اسی حالت کا نام "نروان" یا "مکتی" ہے ۔ یہاں دویت وادی کی دلیل کچھ بھی نہیں چلتی ۔ نہ دویت وادی ایشور ہی یہاں اپنی جگہ پر قائم رہ سکتا ہے ۔ کیونکہ دویت وادی ایشور تو سرب ویاپی اور چیتن کل ہوتا ہوا بھی بغیر ہاتھوں کے سب کچھ بناتا ہے ۔ بغیر پیروں کے سب جگہ آتا جاتا ہے ۔ اور جس طرح کمہار گھڑا بناتا ہے ۔ اسی طرح وہ بھی اس نظام عالم کی تخلیق کرتا ہے ۔ یہ سنکر بودھ کہتا ہے ۔ کہ اگر ایشور ایسا ہی ہے ۔ تو میں اس کی اپاسنا اور پرارتھنا کرنے کی بجائے اس کے ساتھ جنگ کرنے کو تیار ہوں ۔ یہ دنیا ناگفتہ بہ دکھوں سے پُر ہے ۔ اور اگر یہ سب دکھ ایشور نے ہی پھیلائے ہیں ۔ تو میں ضرور اس کے مقابلے کے لئے کھڑا رہوں گا ۔

اس کے ساتھ ہی جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں ۔ ایسا ایشور بھی قیاس ۔ دلیل اور منطق کے خلاف ہے ۔ ایسے ایشور کی ہستی ناممکن ہو جاتی ہے ۔ اگرچہ دہریوں کی مانند ہمیں اس دنیا کے محبوب کی تشریح کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ۔ مگر پھر بھی

دویت وادیوں کے شخصی ایشور کا یہاں خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب ان سے کوئی پوچھے۔ بھائی! تم تو یہ کہتے ہو۔ کہ ہمیں صرف صداقت چاہیئے۔ صداقت کی تلاش ہے۔ "ستیہ میو جیتی نانرتم" سچ کی ہی فتح ہوتی ہے۔ جھوٹ کی نہیں"۔ اور "ستیہ کے ذریعہ ہی تم دیوتاؤں کو پا سکتے ہو" لیکن یہاں یہ کیا ہو گیا؟

دویت وادیوں کی بھول

پہلے ایک ہی جھنڈے کے زیر سایہ رواں ہوئے تھے۔ مگر تم کمزور انسانوں کو ہرانے کے لئے۔ دویت وادی بن گئے اور نرگن ایشور کو لیکر اپنے آپ کو بڑا گیانی سمجھنے لگے غریب مورتی پوجکوں سے جھگڑا شروع کر دیا۔ تم نے سمجھا کہ بس ہمیں ہی سچا گیان ملا ہے اس لئے گیانی کا ناش کر دینا ہی ہمارا دھرم ہے۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ اگر وہ الٹا پڑا۔ تو تمہارے ایشور کو بھی۔ تمہارے اس فرضی اور قیاسی تدرش (نمونے یا نصب العین) کو بھی توڑ مروڑ کر رکھ دے گا۔ پھر کیا ہو گا؟ تم تو کہیں کے بھی نہ رہو گے۔ اس حالت میں بس تم یا تو یہ کہو گے۔ کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے ہمارا وشواس ہے۔ یا پھر ہمیشہ کے کمزور انسانوں کی طرح اپنے مخالف کو گالیاں نکالنے لگو گے اور یہ کہو گے۔ کہ تم ناستک ہو" تم ملحد و منکر ہو" وغیرہ وغیرہ

جب ہارنے لگے۔ تو لگے "ناستک "ناستک" کی رٹ لگانے! اگر تم دلیل اور منطق پر چلتے ہو۔ تو مضبوطی اور مستقل مزاجی سے اس پر قائم رہو اگر عقیدہ تمندی اور وشواس پر آتے ہو۔ تو اپنی مانند دوسروں کو بھی عقیدہ تمند اور وشواسی بنا رہنے دو! اگر مورتی ایشور نہیں! تو تم خود ایشور کی ہستی ہی کیسے ثابت کر سکتے ہو؟ ایشور کی ہستی کی تردید کر دینا اور

اس سے منکر ہو جانا تو اس سے بھی بہت زیادہ آسان ہے۔ اس کی ہستی ثابت کرنے کے لئے تو تمہارے پاس کوئی بھی ثبوت نہیں۔ برخلاف اس کے اس کی تردید میں بے شک بہت سے ثبوت ہیں ؛

اپنے ایشور۔ اس کی با صفات ہستی (سگنتا) اور ایک ہی کسی نامعلوم شے سے جسے تم مادہ بھی نہیں کہتے۔ بنی ہوئی مختلف بے شمار روحوں کی ہستی ثابت کرنے کے لئے بھی تمہارے پاس کیا کیا ثبوت موجود ہیں ؟ اور اس عقیدتمندانہ پہلو میں آپ خود ہی دوسروں سے کس طرح مختلف ہیں ؛

جسم کے لحاظ سے تو مختلف ہو نہیں سکتے! کیونکہ آج آپ بدھوں کی نسبت بدرجہا زیادہ اچھی طرح یہ جانتے ہیں۔ کہ وہ مادی عنصر (ذرہ) جو سر وقت سورج کے اندر موجود ہے۔ وہی آئندہ لمحے میں آپ کے جسم میں آ موجود ہو گا۔ اور تھوڑی سی دیر میں ہی وہ آپ کے جسم سے خارج ہو کر پودوں میں جا ملے گا۔ پھر مہاشے جی! آپ کی شخصیت یا آپ کی ہستی کہاں رہ گئی ؛

یہی حالت آپ کے دماغ کی بھی ہے۔ رات کو آپ کا ایک خیال ہے۔ اور صبح کو دوسرا! جو باتیں آپ اپنے بچپن کے زمانے میں سوچا کرتے تھے۔ وہ اب نہیں سوچتے۔ اور جیسا کوئی بزرگ پیر سال آج کل سوچتا ہے۔ ویسا ہی اس نے اپنے عالم شباب میں نہ سوچا ہو گا۔ پھر آپ کی اور اس کی دماغی شخصیت کہاں رہی ؟ اس لئے میں کیوں یہ کہہ دوں کہ آپ کی تمام شخصیت۔ آپ کا تمام علم اور آپ کی تمام طاقت معلومات محض آپ کی انانیت۔ آپ کی خودی اور آپ کے اہنکار میں ہے۔ کیونکہ یہی سب سے زیادہ محدود ہے ؛

بودھوں کی زبردست منطق

دیکھیئے! میں ابھی آپ سے بات چیت کر رہا ہوں میری تمام اندریاں اپنے اپنے کام میں مشروف ہیں لیکن مجھے اس کا گیان نہیں۔ اگر گیان ہی زندگی کا نشان ہے۔ تب تو گویا نسبتہً یہ اندریاں ہیں ہی نہیں کیونکہ مجھے اسوقت ان کے کام کا کچھ بھی علم نہیں۔ پھر آپ کا مخفی ایشور کہاں گیا؟ اس کی ہستی ثابت کرنے کیلئے آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟ بودھ پھر کھڑے ہو جائیں گے۔ اور پوچھیں گے کہ کیا ایسا ایشور دلیل اور منطق کے خلاف نہیں؟ اس لئے کیا اس کی اپاسنا اور پوجا بھی پاپ نہیں؟ انسان جب خود بزدل ہو کر دوسروں کے سامنے مدد کے لئے گڑگڑاتا ہے۔ تو کوئی بھی اس کی مدد نہیں کرتا۔ دنیا کو دیکھو! انسان نے اسے بنایا ہے پھر تم ایک قیاسی ایشور کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ جسے نہ کسی نے دیکھا ہے نہ سنا ہے اور جس سے کسی کو بھی کوئی مدد بھی پائی ہے۔ تم جان بوجھ کر بزدل کیوں بنتے ہو؟ اور اس وہمی و قیاسی ہستی کے سامنے جا کر ایک کتے کی مانند ناک رگڑ رگڑ کر یہ کہتے ہو کہ ہم بڑے کمزور ہیں۔ بڑے ہی ناپاک ہیں۔ کمینے ہوتے ہیں۔ پاپیوں کے سرتاج ہیں۔ واہ! اپنی اولاد کے سامنے رکھنے کے لئے کوئی تمہاں ہی سب سے خوبصورت بزدلی کا نصب العین ملا ہے؟ اس طرح تم صرف ایک بے بنیاد قیاس میں ہی عقیدہ نہیں رکھتے۔ بلکہ اپنی اولاد میں بھی ایک مکروہ بدی اور کمزوری پیدا کر کے بڑا بھاری پاپ کما رہے ہو۔ یاد رکھو! یہ دنیا قوت ارادی پر قائم ہے۔ جیسا تم اپنے دل میں سوچتے ہو۔ ویسے ہی تم ہو جاتے ہو۔ اس لئے جیسا تم سوچو گے ویسا ہی ہو جاؤ گے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو یہ مت کہو۔ کہ ہم

کچھ نہیں۔ اور جب تک آسمان پر بیٹھا ہوا کوئی ایشور ہماری مدد نہ کرے گا۔ تب تک ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ تم روز بروز کمزور ہوتے جاؤ گے۔ تم ایشور سے کہو گے ہے ایشور! ہم بہت ناپاک ہیں۔ تم ہمیں پاک کرو! نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تم اور بھی ناپاک ہوتے جاؤ گے۔ اور بھی پاپوں میں پھنستے جاؤ گے۔

بودھ کہتے ہیں کہ جتنی برائیاں تم کسی قوم میں دیکھتے ہو۔ ان میں سے ۹۰ فیصدی برائیاں اس شخصی پرمیشور کی عبادت کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ اس خوبصورت اور بے مثال زندگی کی کامیابی سکیا کتا بنکر۔ کسی دوسرے کے سامنے دم ہلاتے رہتے میں ہی ہے؟ آہ! انسان کی یہ کیسی بدقسمتی ہے! بودھ وشنو کا مضحکہ اڑاتا ہوا اس سے کہتا ہے۔ اگر تمہاری زندگی کا مقصد بیکنٹھ جانا۔ اور وہاں ایک لامحدود عرصے تک ہاتھ باندھ کر ایشور کے سامنے کھڑا رہنا ہی ہے۔ تو اس سے تو یہ ہزار درجہ بہتر ہوگا۔ کہ تم خودکشی کر کے مر جاؤ! بودھ یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ اسی ذلت سے بچنے کے لئے وہ نروان کے مسئلہ کو مانتا ہے۔ اور نروان پد حاصل کرنے کا خواہش مند ہے۔

بودھ اور ادویت واد

اب میں آپ کے سامنے بودھ کی بجا ایک اور فریق کے خیالات پیش کرتا ہوں تاکہ آپکو دونوں کے خیالات اور ان کی دلائل کا علم ہو جائے۔ آج کل یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ادویت واد، بزدلی اور کمزوری کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ اسلئے ہمیں طرفین کا کامل مستقل مزاجی سے مقابلہ کر کے حقیقت حال سے واقف ہونا چاہیئے۔ ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ اس دنیا کو بنانے والے شخصی ایشور کی ہستی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ بھلا آج کوئی

پھر بھی عقلاً ایسے ایشور پر اعتماد رکھے گا؟ جس کے متعلق یہ دلیل دی جاتی ہے۔ کہ چونکہ ایک کمہار گھڑا بناتا ہے۔ اس لئے ایشور بھی یہ سنسار بناتا ہے۔

اگر یہی بات ہے۔ تو کمہار بھی ایشور ہی ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ ایشور بغیر سر پیر اور ہاتھوں کے دنیا بناتا ہے۔ تو اسے تم بے شک پاگل خانے لے جا سکتے ہو۔ سائنس جدید کا دوسرا چیلنج یہ ہے۔ کہ اپنے شخصی خدا سے جس کے سامنے تم عمر بھر گڑگڑاتے رہے ہو۔ کیا تم نے کبھی کوئی مدد حاصل کی ہے؟ ایک سائنس پرست بہ آسانی یہ ثابت کر دیگا کہ رونے اور گڑگڑانے میں تم نے فضول ہی اپنی طاقت خراب کی۔ تمہیں جو کچھ بھی مدد ملی ہے۔ اسے تم بغیر روئے اور گڑگڑائے بھی۔ صرف اپنی کوشش اور محنت سے خود ہی حاصل کر سکتے تھے۔ اس شخصی ایشور کے ساتھ ہی مختلف مذہبی رہنماؤں اور دھرم گروؤں۔ پیروں اور مرشدوں۔ پادریوں اور پوپوں کا نیز ان کے گوناگوں مظالم کا جنم ہوتا ہے۔ جہاں بھی یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ وہاں ہی یہ مذہبی رہنما اور ان کے مظالم ضرور آموجود ہوئے۔

اس لئے بودھ کہتے ہیں کہ جب تک تم اپنے ان لغو عقاید کو بھی جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر نہیں پھینک دو گے۔ تب تک دنیا سے ان مظالم کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک انسان یہ سوچیں گے۔ کہ انہیں اپنے سے ایک زبردست طاقت سے مانگنا پڑے گا۔ تب تک دھرم گورو بھی غریب انسانوں اور ایشور کے درمیان دلالی کرنے کے لئے ہمیشہ موجود رہیں گے۔ اور وہ ہمیشہ اپنے لئے عوام سے کچھ زاید اختیارات کا مطالبہ کیا کرینگے ایک برہمن پوجاری کے سر میں ڈنڈا مار کر خواہ کوئی اسے گرا دے۔ لیکن یاد رکھو۔ ایک دن وہ خود اس کی جگہ دھرم گورو بن بیٹھے گا۔ پہلے پجاری کے دل میں تو شاید کچھ رحم اور خدا ترسی تھی بھی۔ لیکن یہ اس سے بھی زیادہ بیرحم اور ناخدا ترس ثابت ہو گا۔ کیونکہ کسی بھک منگے کو جب

کچھ تھوڑی سی بھی دولت کبھی لی جاتی ہے۔ تو وہ سب کو ہیچ و ناچیز سمجھنے لگتا ہے +
اس لئے جب تک شخصی ایشور کی پوجا رہے گی۔ تب تک یہ دہرم گوروؤں کی گدیاں بھی رہیں گی۔ اور سوسائٹی میں نیک خیالی پیدا نہیں ہو سکتی۔ دہرم گورو اور مظالم ہمیشہ کندھے سے کندھا ملا کر چلیں گے۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ ان دہرم گوروؤں اور گدیوں کو ایجاد کس نے کیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ زمانہ قدیم میں کچھ زبردست اور تیز عقل لوگوں نے باقی کمزور انسانوں کو اپنے قابو میں کرکے ان سے یہ کہا "تم ہمارا کہنا نہ مانو گے۔ تو ہم تمہیں پیٹ پیٹ کر ٹھیک کر دینگے" بس اسی طرح مختصراً ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ ایک نہایت زبردست شخص جو اپنا حکم نہ ماننے والوں کا ناش کر دیتا ہے۔ ایسے ایشور کا خیال ہی ان سب مظالم کی جڑ ہے +

اس کے بعد بودھ کہتا ہے۔ کہ یہاں تک تو تم انصاف پر ہو۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ ہماری موجودہ حالت ہمارے گذشتہ اعمال کا نتیجہ ہے۔ ہمارا سب کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ آتما کا آغاز و انجام کچھ بھی نہیں۔ آتمائیں بے شمار ہیں۔ ہمیں پچھلے جنم میں کئے ہوئے کاموں کا نتیجہ اس جنم میں ملتا ہے۔ اور موجودہ افعال کا آئندہ جنم میں ملیگا یہ سب تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ بغیر وجہ یا باعث کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ اعمال کا پھل حال میں ملتا ہے۔ اور موجودہ افعال کا مستقبل میں ملے گا۔ ہندو کہتا ہے۔ کہ کرم بے جان ہے نہ کہ جاندار۔ اس لئے کرم کا پھل دینے کے لئے کسی جاندار کی ضرورت ہے۔ اگر میں بیج بو کر اسے پانی سے سینچتا رہوں۔ تو اسکے پھٹنے میں کسی جاندار کی ضرورت نہیں۔ درخت خود بخود بڑھتا رہتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو۔ کہ اس میں کچھ جاندار عنصر پہلے سے ہی تھا۔ لیکن آتما بھی تو جاندار ہے۔ اس لئے اور کسی جاندار کی ضرورت

بھی کیا ہے؟ اگر آتما جاندار ہے۔ تو بودھوں کے عقیدے کے خلاف آتما کی ہستی میں یقین رکھنے والے جینیوں کے قول کے مطابق۔ ایشور پر اعتقاد رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ دویت وادی جی! اب ذرا بتلایئے! آپ کی منطق اور دلیل کہاں ہے؟

کیا ادویت واد سے پاپ بڑھتا ہے؟

جب تم یہ کہتے ہو۔ کہ ادویت واد یا ہمہ اوست کے خیال سے پاپ بڑھتا ہے۔ تو ذرا ادویت وادیوں کے کارناموں پر بھی نظر دوڑاؤ۔ ان لوگوں سے ہندوستان کی عدالتوں میں کتنی آمدنی ہوتی ہے؟ اگر ملک میں بیس ہزار ادویت وادی گنڈے ہیں۔ تو دویت وادی گنڈے بھی بیس ہزار سے کم نہ ہوں گے۔ اگر درحقیقت دیکھا جائے۔ تو دویت وادی گنڈے ہی زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ ادویت واد کو سمجھنے کے لئے تو زیادہ دماغ درکار ہے جیسے خوف اور لالچ یکایک بھی دبا نہ سکے گا۔ اب کس کا سہارا لوگے؟ بودھ کے پنجے سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ تم ویدوں کا حوالہ دو۔ ان پر اس کا عقیدہ ہی نہیں۔ وہ کہے گا کہ تمہارے تری ٹپک" (بودھوں کی مذہبی و مقدس کتب) کہتے ہیں کہ نہیں! ان کا بھی نہ آغاز ہے نہ انجام۔ خود بدھ نے بھی انہیں نہیں بنایا۔ کیونکہ وہ تو صرف ان کا پاٹھ کیا کرتے تھے۔ تری ٹپک تو دوامی ہیں۔ تمہارے وید جھوٹے ہیں۔ اور ہماری تری ٹپک سچے ہیں۔ تمہاری ویدوں کو برہمنوں نے اپنی خود غرضی پورا کرنے کے لئے بنایا ہے۔ اس لئے انہیں دور ہٹاؤ! اب بتاؤ! کدھر بھاگ کر بچوگے؟ اور کس طرح بودھ کے منطقی جال سے چھٹکارا پاؤ گے۔ نہ جا سے ماندن۔ نہ روسے لیکن ادویت واد کے سامنے بودھ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔

بودھ کو ادویت واد کا ساکت جواب

اچھا! تو یہ دیکھو نکلنے کا رستہ! بودھوں کا ہی پہلے جھگڑا مٹاؤ۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ پدارتھ اور گن یعنی شے اور اس کے اوصاف الگ الگ ہیں۔ ادویت وادی کہتا ہے نہیں! صفت سے موصوف الگ نہیں۔ تمہیں وہ پرانی مثال یاد ہوگی۔ کہ کس طرح بھرم یا وہم سے رسی بھی سانپ سمجھ لی جاتی ہے۔ اور جب سانپ دکھائی دے جاتا ہے۔ تو رسی وہاں نہیں رہتی۔ اس لئے صفت اور موصوف کا فرق صرف دیکھنے اور سوچنے سمجھنے والے کے دماغ میں ہی رہتا ہے۔ حقیقت میں کہیں نہیں رہتا۔ اگر تم ایک معمولی انسان ہو۔ تو تم ایک چیز کو دیکھتے ہو۔ اور اگر ایک بڑے یوگی ہو۔ تو صرف اس کے گنوں اور اوصاف پر نظر رکھتے ہو۔ لیکن دونوں کو بیک وقت نہیں دیکھ سکتے۔ اس لئے بودھ جی! آپ کا یہ صفت اور موصوف کا جھگڑا صرف ایک دماغی بھول بھلیاں پر قائم ہے کسی حقیقت پر نہیں۔ اب اگر وہ شے نرگن ہے۔ تو وہ صرف ایک ہی ہستی ہو سکتی ہے۔ متعدد نہیں۔ اگر سب آتماؤں سے ان کے گنوں کو الگ کر دو۔ تو وہ آتمائیں بھی باقی نہ رہ جائیں گی۔ کیونکہ آتماؤں کا یہ سب اختلاف ان گنوں کی وجہ سے ہی تو ہے ان گنوں کے ہی باعث سے تو آپ ایک آتما کو دوسری آتما سے مختلف سمجھتے ہیں۔ اور تمیز کر سکتے ہیں۔ جب یہ گن ہی نہ رہیں گے۔ تو دونوں میں اختلاف ہی کیا رہ جائیگا۔ اور وہ دونوں ایک ہی ہو جائیں گی۔ اس لئے آتما درحقیقت ایک ہی ہے۔ اور اس طرح پرماتما کی کسی علیحدہ ہستی کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ یہ آتما ہی سب کچھ ہے۔ وہی جیو آتما ہے۔ اور وہی پرماتما ہے۔ سانکھیہ وغیرہ دویت وادی آتما کو "وِبھو" (لامحدود) بتاتے

ہیں۔ لیکن وہ دو ہو یا دو لامحدود کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے یہ آتما ہی لامحدود اور سرب ویاپک ہے۔ اور باقی سب اسی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اب تو بودھ جی رُک گئے۔ اور لاجواب ہو گئے؟

ادویت واد اس سے بھی آگے جاتا ہے

مگر ادویت واد اس سے بھی آگے جاتا ہے۔ وہ دیگر کمزور مذاہب کی مانند دوسروں کی تنقید کر کے ہی چپ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اُس کے اپنے عقائد بھی ہیں۔ جب کوئی دویت وادی کے بہت نزدیک آجاتا ہے۔ تو وہ اسے دھکا دیکر ذرا پچھاڑ دیتا ہے۔ اور پھر اپنی جگہ ڈٹ جاتا ہے۔ غرضیکہ صرف ایک ادویت وادی ایسا ہے۔ جو دوسروں کی تنقید کر کے خاموش نہیں رہتا۔ بلکہ اپنے عقائد بھی بیان کرتا ہے۔ اور اپنے نکتہ بھی دکھاتا ہے؟

اچھا! آپ کہتے ہیں کہ یہ دنیا گھوم رہی ہے۔ علیحدہ علیحدہ ہر چیز گھوم رہی ہے۔ تم گھوم رہے ہو۔ یہ میز بھی گھوم رہی ہے۔ یہ سب نظام عالم گھوم رہا ہے۔ اس لئے اس دنیا میں کسی کو بھی کوئی علیحدہ شخصیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ شخصیت صرف اس کی ہو سکتی ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ انقلاب پذیر میں شخصیت کہاں؟ یہ دونوں باتیں تو متضاد ہیں۔ اس بر ہمانڈ میں۔ ہماری اس چھوٹی سی دنیا میں کسی کی بھی کوئی شخصیت نہیں۔ خیالات وجذبات۔ دماغ اور جسم۔ چرند اور پرند۔ سبھی ہر وقت تبدیلی کی حالت میں ہیں۔ لیکن اگر تم تمام نظام عالم کو ایک سمجھو۔ تو کیا یہ بھی گھوم سکتا ہے؟ کیا اس میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! رفتار کا علم

جبھی ہو سکتا ہے۔ جب قرب کی چیز کی رفتار یا تو کم ہو یا کچھ بھی نہ ہو۔ اس لئے تمام برہمانڈ قائم اور ناقابل تبدیلی ہے۔ اس لئے تم بھی ایک ہستی یا شخصیت اسی وقت ہو سکتے ہو۔ جب اس نظام عالم کے ساتھ مل کر ایک ہو جاؤ۔ جب یہ سمجھو۔ کہ میں ہی تمام نظام عالم ہوں۔ میں ہی تمام برہمانڈ ہوں ؎

ویدانتی کا ناد

اسی لئے ویدانتی کہتا ہے۔ کہ جب تک دوئی رہیگی۔ تب تک خوف کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ جب غیر کی ہستی کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ تب صرف ایک ہی رہ جاتا ہے۔ تب ہی موت کی موت ہو کر موت کا خوف دور ہو جاتا ہے۔ تب ہی دنیا میں کچھ بھی ایسا نہیں رہتا۔ جو فرشتہ اجل کے قابو میں آسکتا ہو۔ اسی لئے ادویت وادی کہتا ہے۔ کہ جب تک تم اپنے آپ کو دنیا سے الگ سمجھتے ہو۔ تب تک تمہاری کوئی ہستی نہیں۔ تم اپنی ذاتی ہستی کو اسی وقت حاصل کر سکتے ہو۔ جب برہمانڈ میں مل کر ایک ہو جاؤ! مکمل میں مل کر ہی تم کمال حاصل کر سکتے ہو! جب تم بذات خود اس نظام عالم میں مل جاؤ گے۔ تب ہی تو بے خوف اور لافانی ہو جاؤ گے!

جسے تم ایشور کہتے ہو۔ یہ وہ برہمانڈ ہی تو ہے۔ وہ مکمل ہے۔ وہی تم بھی ہو۔ اس لئے تم بھی مکمل ہو۔ اس ایک مکمل برہمانڈ کو ہم جیسی معمولی اور موٹی عقل والے سورج چاند۔ نکشتر وغیرہ مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے ہماری نسبت بہتر کرم کئے ہیں۔ مرنے پر وہ اسے سورگ۔ اندر وغیرہ کی شکلوں میں دیکھتے ہیں۔ جو ان سے بھی زیادہ صاف باطن ہیں۔ وہ اسے ہی برہم لوک سمجھتے ہیں۔ لیکن جو درجہ

کمال حاصل کر چکے ہیں۔ وہ تو نہ مرتیو لوک (عالم فنا) کو دیکھتے ہیں۔ نہ سورگ لوک (بہشت) کو اور نہ برہم لوک کو۔ ان کی نظروں سے یہ تمام برہمانڈ۔ تمام نظام عالم غائب ہو جاتا ہے اور رہ جاتا ہے۔ صرف برہم ہی برہم!

اس برہم کو کون جان سکتا ہے؟

کیا اس برہم کو ہم جان سکتے ہیں؟ سنگھتا (وید ول) میں اس لامحدود کی جو تصویر کھینچی گئی ہے۔ اس کا بیان میں آپ سے کر چکا ہوں۔ یہاں ایک اور بیان آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ پہلا ذکر مادی لامحدود یعنی پرکرتی یا مادے کا تھا۔ یہ دوسرا بیان آتما یا روح کا ہے۔ پہلے سیدھی سادی مادی زبان میں اس کا بیان کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس مرتبہ اس طرح کام چلتے نہیں دیکھا۔ تو "نیتی نیتی" "یہ بھی نہیں۔ یہ بھی نہیں" کی شرن لینی پڑی۔ یہ برہمانڈ ہم دیکھتے ہیں۔ اسے یہ برہمانڈ مانتے ہوئے بھی کیا ہم اسے جان سکتے ہیں؟ نہیں! نہیں! آپ اس ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ بار بار آپ کے دل میں یہ سوال اٹھے گا۔ کہ اگر یہ برہم ہے۔ تو ہم اسے کیسے جان سکتے ہیں؟ جاننے والے کو کس طرح جانا جا سکتا ہے؟ آنکھیں سب کچھ دیکھتی ہیں۔ لیکن کیا وہ اپنے آپ کو بھی دیکھ سکتی ہیں؟ نہیں اگر وہ دیکھ لی جائیں۔ تو ان کی عظمت و اہمیت ہی کم ہو جائے۔ اس لئے اے آریہ سنتان! تم اس بات کو یاد رکھو۔ کیونکہ اس میں ایک بہت بڑا راز چھپا ہوا ہے۔ تہیں کشش کرنے والے تمام مغربی خیالات کی بنیاد اسی اصول پر ہے۔ کہ حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل شدہ گیان ہی سچا گیان ہے۔ لیکن ہمارے وید کہتے ہیں۔ کہ ان احساسات کی بدولت حاصل ہوا

گیان۔ شے معلوم کی نسبت ہمیشہ ہیچ و حقیر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ نامکمل و محدود رہتا ہے۔ اور کبھی مکمل و لامحدود نہیں ہو سکتا ؂

محدود کو لامحدود کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟

جب تم کسی چیز کو جاننا چاہتے ہو۔ تو تمہارے دماغ میں اس کا خیال آتے ہی وہ محدود ہو جاتی ہے۔ ہمارے رشیوں کا قول ہے۔ کہ سیپ اور موتی کی مثال کو پیش نظر رکھو۔ اور دیکھو کہ علم کس طرح محدود ہوتا ہے۔ ایک چیز کا علم تم حاصل کرتے ہو۔ لیکن مکمل طور پر نہیں۔ اسی طرح ہر ایک شے کے علم کے متعلق سمجھ لو۔ سب کے بارے میں یہی بات سچ ہے۔ تو کیا تم لامحدود کا علم اس طرح حاصل کر سکتے ہو؟ ہماری آتماؤں اور تمام دنیا میں محیط اس برتر از صفات شاہد (نرگن ساکشی) کو جو ہر طرح کے علم کا جوہر حقیقت ہے۔ کیا تم جان سکتے ہو؟ اس لامحدود کو تم کن حدود سے باندھ سکتے ہو؟ سبھی اشیا۔ یہ تمام برہمانڈ اسی طرح کی نامکمل اور ناکامیاب کوششوں سے بھرپور ہے۔ یہ لافانی و لازوال آتما ہی گویا چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر کیڑے سے لیکر بڑے سے بڑے دیوتا تک تمام جانداروں کے جسموں میں شیشے کے مانند اپنا عکس دیکھنا چاہتی ہے۔ اور پھر بھی انہیں کم ہی پاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسانی جسم میں اسے اس بات کا گیان ہوتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ ہی انجام و انتہا والا ہے۔ اس محدود و با انتہا میں لامحدود و لاانتہا کا نظارہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وہ اس سے کنارہ کشی شروع کرتا ہے۔ اسی کا نام "ویراگ" ہے۔ لیکن اندریوں اور حواسات کو چھوڑ کر پھر ان ہی حواسات اور اندریوں کی

طرف نہ بڑھو۔ تمام مسرت۔ تمام خوشی۔ اور تمام دہرم کا مول منتر۔ بنیادی سبق۔ یہ ویراگ ہی ہے۔ کیونکہ یاد رکھو۔ اس دنیا کا آغاز تپسیا اور ریاضت سے ہوا ہے۔ اس لئے جیسے تمہیں زیادہ سے زیادہ ترویراگ ہونا چاہئیگا۔ ویسے ہی سب شکلیں اور صورتیں غائب ہوتی جائیں گی۔ اور آخر میں جو کچھ بھی تم ہو۔ وہ ہی تم رہ جاؤ گے۔ اور تمہیں اپنے سوا کوئی بھی دوسرا نظر نہ آئیگا۔ پس اسی کا نام "موکش" ہے۔

جاننے والے کو کیسے جانا جا سکتا ہے؟

اس معمہ کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ کہ جاننے والے کو کس طرح جانا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اگر وہ جان لیا جائے گا۔ تو جاننے والا ہی نہ رہیگا۔ شیشے میں تمہیں جو آنکھیں نظر آتی ہیں۔ وہ حقیقی آنکھیں یعنی چشم بینا نہیں ہوتیں۔ بلکہ صرف ان کا عکس ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ سرب ویاپی اور لامحدود آتما۔ جو تم ہو۔ اگر وہ صرف دیکھنے والا اور ناظر ہی ہے۔ تو پھر اس کا فائدہ ہی کیا ہے؟ ہماری نند اس دنیا میں رہکر وہ اس کا لطف حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ راز کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ساکشی یا شاہد کس طرح کسی حقیقی لطف و سرور سے بہرہ اندوز ہو ہو سکتا ہے؟

آواز سنائی دیتی ہے "ہندو! تم اس غلط مسئلہ کو مان کر بالکل نکمے ہو گئے ہو۔ لیکن دیکھو تو سہی۔ زیادہ لطف کیسے حاصل ہوتا ہے؟ کشتی لڑنے والوں کو یا ان کی کشتی دیکھنے والوں کو؟ دنیا میں تم ایک تماشائی کی حیثیت سے کسی چیز کو جتنا بھی زیادہ دیکھو گے۔ اتنا ہی زیادہ لطف حاصل کرو گے۔ اس لئے یہ لامحدود

لطف بھی تم اسی وقت حاصل کر سکتے ہو۔ جب کہ اس تمام نظام عالم کو ایک شاہد کے طور پر دیکھو گے۔ اسی وقت تم اس کے بندھنوں سے اس کے جال جنجال سے اور اس کی تمام قیود سے آزاد ہو سکو گے۔ کیونکہ ساکشی یا گواہ ہی بغیر کسی عذاب و ثواب کے خیال کے۔ بغیر کسی بدنامی یا نیک نامی کی خواہش کے دیکھ سکتا ہے اور اسے ہی حقیقی لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ کسی اور کو نہیں +

مایا کا مسئلہ

ادویت واد کی عملی صورت کو سمجھنے سے پہلے۔ ہمیں مایا کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہئے۔ ادویت واد کی ان باتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے مہینوں تو کیا، برسوں چاہئیں۔ اس لئے اگر میں یہاں ان کا مختصراً ہی ذکر کروں۔ تو آپ مجھے معاف کرینگے۔ مایا کے اس مسئلہ کو سمجھنے میں ہمیشہ ہی دقت رونما ہوا کرتی ہے۔ مختصراً میں آپ پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ درحقیقت مایا کا مسئلہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، کیونکہ مایا مکان۔ زمان اور سبب۔ ان تینوں کا صرف ایک مرکب ہے۔ ان تینوں پر بھی اگر مزید غور کیا جائے۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ تینوں بھی نام اور روپ کا ہی کھیل ہیں۔ فرض کیجئے۔ سمندر میں ایک لہر آتی ہے۔ معاً یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کہ یہ لہر کیا ہے؟ سمندر سے اس کا کیا تعلق ہے؟ دونوں میں فرق کیا ہے؟ صرف نام اور روپ کا! یہ نام اور روپ لہر سے الگ نہیں کئے جا سکتے۔

لیکن خواہ وہ لہر پانی میں مل جائے۔ مگر پانی کی مقدار اتنی ہی رہے گی! اس کی علیحدگی یا شمولیت سے اس میں کچھ بھی کمی یا بیشی نہ ہوگی۔ لہر کے پانی میں مل جانے

سے الگ جو لہر کا نام اور روپ مٹ جاتا ہے۔ لیکن پانی کی مقدار میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اسی طرح یہ مایا ہے۔ ہم میں تم میں چرندوں میں پرندوں میں۔ انسانوں میں اور دیوتاؤں میں صرف یہ مایا ہی فرق پیدا کرتی ہے۔ اس مایا کے باعث سے ہی آتما۔ بے شمار نام اور روپ والی اشیا میں منقسم شدہ نظر آتا ہے۔ اگر نام اور روپ کا خیال تم اپنے ذہن سے دور کر دو۔ تو تم جو ہمیشہ سے تھے۔ وہی رہ جاؤ گے۔ یہی مایا ہے ؞

اب دیکھو۔ یہ کوئی فرضی مسئلہ نہیں۔ بلکہ ایک امر حقیقت ہے۔ ظاہر پرست کہتا ہے۔ کہ یہ دنیا ہے۔ اگیانیوں۔ لاعلموں ظاہر پرستوں۔ نادان بچوں وغیرہ کا اس سے یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ اس میز کی بھی اپنی ایک جداگانہ ہستی ہے۔ جس کا دنیا کی کسی چیز سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ گویا اگر یہ سارا سنسار تباہ بھی ہو جائے۔ تو پھر اس میز کی ہستی قائم رہیگی۔ لیکن ذرا سا بھی غور کرنے پر معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ ایک غلطی ہے۔ اس مادی دنیا میں ہر ایک شے اپنی ذاتی ہستی کے لئے کسی نہ کسی دوسری شخصیت پر انحصار رکھتی ہے ؞

گیان کی تین منزلیں

ہمارے گیان کی تین سیڑھیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر ایک شے دوسری سے جدا ہے۔ دوسری یہ کہ تمام اشیا باہم ایک دوسرے پر انحصار رکھتی ہیں۔ اور تیسری یہ کہ یہ سب ایک ہی چیز کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس امر حقیقت کا علم ہی علم حقیقت کی آخری منزل ہے۔ ایشور کے متعلق ایک گیانی کا پہلا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا سے الگ کہیں اور کسی دوسری جگہ موجود ہے۔ یعنی ایشور کے متعلق

یہ خیال بہت ہی ابتدائی اور نہایت ہی معمولی انسانوں کا سا ہے۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ پرماتما ہی وہی سب کام کرتا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ اس کے کام زیادہ وسیع الاثر ہوتے ہیں۔ لیکن ہم یہ دیکھ ہی چکے ہیں۔ کہ ایک ایسا ایشور کتنی جلد خلاف عقل اور خلاف دلیل ثابت کیا جا سکتا ہے ۔

دوسرا خیال ایک سرب ویاپک اور محیط کل طاقت کا ہے۔ چنڈی میں ایک ایسے ہی ایشور کا قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن ذرا غور کیجئے۔ یہ ایشور ایسا ہی نہیں جو تمام نیک اوصاف کا ہی مخزن ہو۔ یعنی اچھے اوصاف کے لئے ایشور اور بری باتوں کے لیے شیطان۔ تم کسی ایسی دو طاقتوں کو نہیں مان سکتے۔ اس لئے تمہیں ایک کو ہی ماننا پڑے گا۔ اور اس کے نتائج کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا ۔

"اے دیوی! تو تمام جانداروں میں شانتی اور پاکیزگی بن کر قائم رہتی ہے۔ ہم تجھے نمسکار کرتے ہیں"۔ اس کے ساتھ ہی اس کا جو انجام ہو۔ ہمیں اس کا بھی سامنا کرنا پڑیگا۔ "اے کارگی! تو چت اور آنند پریم و سرور ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی کچھ سکھ ہے۔ وہ تیرا ہی ایک عنصر ہے"۔ اس خیال کا استعمال چاہے آپ جیسے بھی کریں۔ آپ کو اختیار کامل حاصل ہے۔ اس روشنی میں۔ اگر آپ چاہیں تو ایک غریب آدمی کو ایک صد روپیہ دے سکتے ہیں۔ اور دوسرا اگر چاہے۔ تو آپ کے جعلی دستخط بنانے میں ہی کمال حاصل کر کے خوشی اور مسرت پا سکتا ہے۔ روشنی دونو کے لئے یکساں ہی رہے گی۔ یہ اس گیان کی دوسری سیڑھی ہے۔

تیسری سیڑھی اس بات کا گیان ہے کہ ایشور۔ پرکرتی۔ آتما اور برہمانڈ سب ایک دوسرے کے مترادف الفاظ ہیں۔ آپ ان میں سے کسی بھی دو چیزوں

کو ہر ایک وقت نہیں دیکھ سکتے ۔ آپ کی دنیاوی زبان نے آپ کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے ۔ آپ سمجھتے ہیں ۔ کہ ہمارا جسم ایک ہے ۔ اور آتما اس سے الگ کچھ دوسرا ۔ اور ہم ان دونو کا مجموعہ ہیں ۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ کبھی اپنے دل میں اس سوال پہ غور کر کے دیکھئے ! اگر آپ میں سے کوئی یوگی ہو ۔ تو وہ یہ سمجھے کہ میں چیتن ہوں ۔ اس لئے شریر نہیں ہو سکتا ۔ لیکن ایک معمولی انسان سمجھتا ہے ۔ کہ میں یہ جسم ہی ہوں ۔ مگر آتما اور جسم کے متعلق مروجہ خیالات سے متاثر ہو کر آپ یہ سمجھتے ہیں ۔ کہ ہم یہ دونو ہی ہیں لیکن نہیں ۔ تم دونو ہی چیز ہو ۔ مگر باری باری سے جب تم اپنے جسم پر نظر ڈالتے ہو ۔ تو آتما کی طرف نظر نہیں ڈال سکتے ۔ کیونکہ صرف معلول کو ہی دیکھ سکتے ہیں علت کو نہیں ۔ مگر جب علت کو دیکھ لو گے ۔ تو فوراً ہی معلول غایب ہو جائیگا ۔ اس وقت تم یہ بھی نہ سوچ سکو گے ۔ کہ یہ سنسار کہاں گیا ؟ اسے کون اٹھا کر لے گیا ؟

برہم کیا ہے اور کیسے جانا جا سکتا ہے ؟

وہ برہم ہے ۔ جس کی کوئی صورت شکل اور رنگ روپ نہیں ۔ جو لامحدود ہے ۔ بے مثال ہے ۔ لاصفت ہے ۔ اے گیانی ! ایسا برہم سمادھی میں مگن ہونے پر ہی تیرے دل میں ظاہر ہو سکتا ہے ۔

جہاں پرکرتی کے سبھی انقلابات کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ جو خیالات سے بھی ورے ہے ۔ ویدوں نے بھی جس کو جانا ہے ۔ جو ہماری زندگی کا حقیقی جوہر ہے ۔ وہ برہم سمادھی کی حالت میں ہی تیرے دل میں ظاہر ہو گا ۔

جب مہاپرلے (قیامت کبریٰ) کے طوفان میں ڈوبے ہوئے برہمانڈ

کی مانند۔ اوپر نیچے اور چاروں طرف پانی ہی پانی ہو۔ اور پانی کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا ہو۔ اس بحر ناپیدا کنار میں۔ کہیں کوئی ایک بھی چھوٹی سی لہر قصاں نہ ہو۔ ہر طرف سکون اور اطمینان محیط ہو۔ تمام خواہشیں اور امیدیں مٹ چکی ہوں۔ اور گیانیوں اگیانیوں۔ عالموں اور جاہلوں کی بحث و تمحیص کا بھی جب خاتمہ ہو گیا ہو۔ تب اسی برہم سمادھی کی حالت میں وہ ضمیر اور موت سے بالاتر۔ لامحدود اور عدیم المثال برہم تیرے دل میں ظاہر ہوگا۔

جب انسان اس حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ تب واقعی یہ جہاں اس کی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے ؛

اب ہم یہ دیکھ چکے۔ کہ رس ویدانت مطلق۔ برہم کو جاننا ناممکن ہے اگیان وادیوں اور دہریوں کی مانند نہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایشور جانا ہی نہیں جا سکتا۔ بلکہ اسلئے کہ اس کو جاننا ادہرم ہو گا۔ کیونکہ ہم خود ہی برہم ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں۔ کہ یہ میز برہم نہیں۔ لیکن پھر بھی ہے۔ کیونکہ اگر تم اس کے نام اور روپ کو اپنی نظروں سے دور کر دو تو پھر جو کچھ درحقیقت باقی رہ جائیگا۔ وہی برہم ہو گا۔ غرضیکہ نام اور روپ سے۔ الگ ہونے پر ہر چیز کی حقیقت یہی ہے۔

تو ہی ستری میں ہے۔ تو ہی پرش میں ہے۔ نشہ شباب میں سرمست نوجوان میں۔ اور عصائے پیری کے سہارے کھڑے ہوئے مرد ضعیف میں بھی تو ہی ہے تو ہی سب میں ہے۔ مجھ میں بھی تو ہی ہے۔ اس لئے میں بھی تو ہی ہوں۔ یہی ادویت واد یا ہمہ اوست کا مسئلہ ہے۔ اسی میں راز حقیقت پوشیدہ ہے۔ اسکو جانے اور سمجھے بغیر حقیقت کی ماہیت معلوم نہیں ہو سکتی ؛

ادویت واد کی خصوصیت

دو الفاظ اور ! ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ دنیا کا راز یہیں سمجھایا گیا ہے ۔ یہاں کھڑے ہوکر ہی ہم سب دلائل اور وگیان کا مقابلہ کر سکتے ہیں ۔ یہاں محض عقیدت اور وشواس کا ہی سہارا انہیں لینا پڑتا ۔ بلکہ ادویت واد دلیل اور منطق کی مضبوط چٹان پر قائم ہے ۔ ساتھ ہی اس کے ویدانتی کسی مذہب کو گالیاں نہیں دیتا ۔ بلکہ سب کو محبت کی نظروں سے دیکھتا ہے ۔ کیونکہ وہ جانتا ہے ۔ کہ وہ بھی حقیقت سے خالی نہیں ۔ صرف انہیں غلط سمجھا گیا ہے ۔ اور ان کی تشریح و توضیح غلط طور پر ہوئی ہے ۔ ورنہ وہ سب ایک ہی ہیں ۔ صرف مایا کا پردہ پڑ جانے سے ان کی صورت کچھ کی کچھ ہو گئی ہے ۔ مگر پھر بھی وہ سچے ہی ہیں ۔

جس ایشور کو اگیانی نے پرکرتی سے باہر دیکھا تھا ۔ جسے کچھ تھوڑا بہت نامکمل گیان رکھنے والے گیانی نے تمام نظام عالم میں بھرپور دیکھا ہے ۔ اور مکمل گیانی نے جسے اپنی آتما ہی کے روپ میں جانا تھا ۔ وہ سب ایشور اور برہمانڈ ایک ہی تو ہیں ایک ہی چیز مختلف مقامات سے اور مختلف نقطہ ہائے خیال سے دیکھی گئی ہے مایا کے باعث اس کے روپ مختلف نظر آتے ہیں ۔ یہ سب فرق محض مایا کی وجہ سے ہی ہیں ۔ صرف یہی نہیں ۔ بلکہ علم حقیقت کو حاصل کرنے کے لئے یہ سب بھی مختلف سیڑھیاں ہی ہیں ۔

سائنس اور مذاہب کا جھگڑا اب دیکھئے ! وگیان (سائنس) اور گیان علم دنیا اور علم حقیقت میں فرق کیا ہے ؟ ذرا سٹرک پر جائیے ! اور کسی گنوار سے وہاں کی کسی

بات کے متعلق ، مثلاً موٹر کیسے چلتی ہے ؟ گراموفون کیسے بج رہا ہے ؟ دریافت کیجئے سولہ میں پندرہ آنے یا نوے بلکہ ننانویں فیصدی وہ یہی کہے گا۔ کہ یہ سب بھوتوں کی لیلا ہے۔ کیوں ؟ اگیانی علت کو ہمیشہ معلول سے باہر تلاش کیا کرتا ہے۔ اس کے لئے وہ ہمیشہ۔ ایسے واقعات سے جن کا باعث اسے چھپا ہوا یا نظر نہیں آتا۔ بھوتوں۔ پریتوں کا تعلق ڈھونڈھ نکالتا ہے۔ اگر کہیں کوئی پتھر گرا ہے۔ مگر پھینکنے والا نظر نہیں آتا تو وہ یہی کہیگا۔ کہ یہ کسی شیطان یا بھوت کا کام ہے۔ لیکن ایک سائنس دان جانتا ہے۔ کہ یہ سب عقل۔ سائنس یا زمین کی کشش ثقل کے کرشمے ہیں۔ اور سوائے اس کے کچھ نہیں۔

مذہب اور سائنس کا یہ آئے دن کا جھگڑا کیا ہے ؟ مذاہب میں واقعات عالم کے بواعث بیرون از عالم بتائے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ سورج میں بھی ایک دیوتا ہے۔ اور چاند میں بھی۔ دنیا میں جو بھی انقلاب ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی بیرونی طاقت کے باعث ہوتا ہے۔ اس کی علت معلول میں ہی تلاش نہیں کی جاتی۔ لیکن سائنس کہتی ہے۔ کہ ہر شئے کی علت اس کے معلول میں موجود ہے۔ جیسے جیسے سائنس ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس نے دنیا کے رازہائے نہفتہ کی چابی بھوتوں اور پریتوں۔ فرشتوں اور جنوں۔ دیویوں اور دیوتاؤں کے ہاتھوں سے چھین لی ہے۔ اور اسی لئے ادویت واد سب سے بڑھ کر مبنی بر عقل و مبنی بر سائنس مذہب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ دنیا کسی بیرونی طاقت کی بنائی ہوئی نہیں۔ کسی ایسے ایشور کی مخلوقت نہیں جو اس سے باہر کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ از خود پیدا ہونے والی۔ قائم رہنے والی اور فنا ہونے والی ہے۔ یہ ایک لا محدود

زندگی ہے۔ یہی برہم ہے "تت تو مسی" اور وہ تو ہی ہے۔" اے شویت کیتو! وہ تو ہی ہے۔"

صرف ادویت وادہی سائنس کے مطابق ہے

اس طرح تم دیکھتے ہو کہ ادویت وادہی ایک ایسا دھرم ہو سکتا ہے۔ جو سائنس سے مطابقت رکھتا ہے۔ نیم تعلیم یافتہ بھارت ورش میں مجھے آئے دن سائنس منطق اور دلیل وغیرہ کے متعلق جو باتیں سنائی دیتی ہیں۔ ان کے باوجود بھی میں یہ امید کرتا ہوں کہ آپ سب ادویت وادی یا پیرو ان مسئلہ ہمہ اوست ہونے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ اور بدھ دیو کے الفاظ میں "دنیا کی بہتری اور دنیا کے سکھ کے لئے" اس کا پرچار کرینگے۔ اگر ایسا کرنے کی ہمت تم میں نہیں۔ تو میں تمہیں بزدل اور کایر ہی کہہ کر پکاروں گا۔ اگر تم میں بزدلی ہے۔ کایرتا ہے۔ خوف ہے۔ تو دوسروں کو بھی اتنی آزادی دو۔ کسی غریب مورتی پوجک کی مورتی جاکر نہ توڑو۔ اُسے شیطان نہ کہو۔ جس کی تمہارے خیالات سے یگانگت نہیں۔ اسے ہی جاکر اپدیش نہ دینے لگو۔ بلکہ پہلے یہ جان لو کہ تم بھی خود بزدل اور کایر ہو۔ اگر تمہیں سماج سے یا اپنے کورانہ عقاید سے خوف ہے۔ تو ذرا یہ سوچو کہ دوسرے اگیانیوں کو بھی ان سے کتنا خوف ہوگا۔

کیا ہی اچھا ہوتا! اگر کل ہی سارا جہاں ادویت وادی ہو جاتا۔ ادویت واد کو محض اصولی طور پر ہی نہ مانتا بلکہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی کمربستہ نظر آتا لیکن اگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ بلکہ سبھی مذاہب سے ہاتھ ملاکر۔ آہستہ آہستہ جیسے وہ جا سکیں۔ انہیں صداقت اور حقیقت کی طرف لے

چلو اور یاد رکھو کہ ہندوستان میں ہر ایک مذہب کی رفتار ترقی کی ہی طرف ہے۔ بڑے سے اچھے کی طرف نہیں۔ بلکہ اچھے سے اور بھی اچھے کی طرف!

ادویت واد کا عملی پہلو

ادویت واد کے عملی پہلو کی متعلق میں دو الفاظ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ ہمارے بچے اور نوجوان۔ نہ جانے کس سے سیکھ کر جلد جلد یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ ادویت واد لوگوں کو پاپی بنا دے گا۔ کیونکہ اگر ہم سب ایک ہی ہیں۔ اور سب ہی ایشور ہیں۔ تو ہمیں دھرم ادھرم کا کچھ خیال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دلیل محض جانوروں کی سی ہے۔ جو بغیر کوڑے کے کسی اور طرح مانا ہی نہیں کرتے۔ اگر تم بھی ایسے ہی پشو ہو۔ تو کوڑے سے ہی ماننے والے انسان بننے کی نسبت تو یہی اچھا ہے۔ کہ انسان مر ہی جائے۔ ورنہ کوڑا ہٹتے ہی وہ بالکل راکشس بن جائیگا۔ اگر ایسا ہی ہے تو تم سب کو خودکشی کر لینی چاہیئے۔ ورنہ ایک دن سب کے سب مار ڈالے جاؤ گے۔ اس کا کوئی بھی دوسرا علاج نہیں۔ کیونکہ تم بغیر کوڑے اور ڈنڈے کے تم کبھی مانو گے۔ اس لئے تمہیں کبھی نجات حاصل نہ ہو گی ؛

دھرم کا راز

دوسری بات یہ ہے کہ ادویت واد ہی دھرم کے راز کو ظاہر کرتا ہے۔ ہر ایک دھرم ہی کہتا ہے۔ کہ "دھرم کا لب لباب یہی ہے۔ کہ دوسروں کی بھلائی اور بہتری کی جائے"۔ "لیکن کیوں"؟ "خود غرضی چھوڑ دو!" "کیوں؟" "کسی دیوتا نے یہ

کہا ہے "یہ دو کہنے دو۔ ہم اسے نہیں مانتے"۔ "ہماری دھرم پستک میں لکھا ہے"
"لکھا رہنے دو۔ ہمیں اس کی بھی پرواہ نہیں۔ کیونکہ دنیا کا دھرم کیا ہے؟ خودغرضی!
سب اپنی اپنی خودغرضی میں مبتلا ہیں۔ غریب کی موت کی ہی کسے پرواہ ہے؟ اُس پر کون
دو آنسو بہاتا ہے؟ کم ازکم دنیا کے کثیر التعداد انسانوں کا مذہب تو یہی معلوم ہوتا
ہے۔ پھر میں ہی دھرم کیوں کروں؟" اس منطق کا جواب آپ اسوقت تک نہیں
دے سکتے۔ جب تک کہ آپ کو علم حقیقت حاصل نہ ہو جائے۔

وہ جو اپنے آپ کو ہر ایک جاندار میں اور ہر ایک جاندار کو اپنے اندر دیکھتا
ہے۔ اور سب جانداروں میں ایک ہی پرماتما کو دائم قائم جانتا ہے۔ وہ گیانی آتما
کی آتما سے ہتیا نہیں کر سکتا۔ اس لئے ادویت واد تمہیں یہ بتلاتا ہے کہ دوسروں
کو نقصان پہنچا کر تم خود اپنے ہی آپ کو نقصان پہنچاتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی تم سے کچھ
الگ نہیں۔ تم خواہ اسے مانو۔ یا نہ مانو۔ جانو۔ یا نہ جانو۔ لیکن سبھی کے ہاتھوں سے
تم کام کرتے ہو۔ سبھی کے پیروں سے تم چلتے ہو۔ محلات میں عیش وعشرت کرنیوالے
اور موج اڑانے والے شہنشاہ بھی تم ہی ہو۔ اور برلب سڑک پڑے ہوئے۔ بھوک
سے تڑپ تڑپ کر بھیک مانگنے والے بھکاری بھی تم ہی ہو۔ گیانی میں بھی تم ہی
ہو اور اگیانی میں بھی تم ہی ہو۔ کمزور میں بھی تم ہی ہو۔ اور شہزور میں بھی تم ہی ہو۔
ایسا محسوس کر کے اپنے دل میں ہمدردی پیدا ہونے دو۔ پھر تم خود بخود یہ سمجھ
جاؤ گے۔ کہ مجھے کیوں دوسروں کو دکھ نہیں پہنچانا چاہیئے۔ اس لئے ہی مجھے
اس کا فکر نہیں کہ مجھے کھانا ملتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ لاکھوں منہ تو کھا رہے ہیں۔
اور وہ سب میرے ہی مُنہ تو ہیں۔ اس لئے میری خواہ کچھ بھی حالت کیوں نہ ہو

مجھے اس کی فکر نہیں کیونکہ یہ سارا سنسار میرا ہی تو ہے۔ اس کے تمام سامان عیش سے میں ہی تو لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ مجھے اس جہان میں کون مار سکتا ہے یہی ادویت واد کا عملی دھرم ہے۔ دوسرے دھرم بھی یہی بات بتاتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ اور اس کا باعث نہیں سمجھا سکتے ہ

کمزوری سب سے بڑا پاپ ہے

یہ تو بات ہوئی علت و معلول کی۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس سے فائدہ کیا ہے ہ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے۔ پہلے اس مایا کے پردے کو اتار دو۔ جو تم نے اس دنیا پر ڈال رکھا ہے بنی نوع انسان میں کمزور الفاظ اور کمزور خیالات کا پرچار نہ کرو۔ یہ یاد رکھو کہ کمزوری سب پاپوں اور برائیوں کی جڑ ہے اس کمزوری کے باعث ہی انسان قابل مذمت کام کر بیٹھتا ہے۔ کمزوری کی وجہ سے ہی ایک شخص وہ کام کر ڈالتا ہے۔ جو اس کی شان شرافت کے شایاں نہیں۔ کمزوری کے سبب سے ہی وہ اپنی حقیقت اور اصلیت کو بھول کر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے اس لئے سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا چاہئے۔ کہ آپ کیا ہیں ؟ اور اس کو آپ کو شب و روز خیال رکھنا چاہئے۔ "وہ میں ہی ہوں" اس طاقت سے بھرپور خیال کو تمہیں ماں کے دودھ کی طرح پی جانا چاہئے" میں وہی ہوں" "میں وہی ہوں"۔ شب و روز خیال کرنے والا انسان ہر وقت یہی سوچنے والا دل دلیا میں وہ وہ کام کر دکھلائے گا۔ جنہیں دیکھ کر سب محو حیرت ہو جائینگے۔ اور اس کے روبرو سر تسلیم خم کئے بغیر نہ رہ سکیں گے ہ

اوم کا راز

بعض حضرات یہ کہتے ہیں۔ کہ ادویت واد کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکتا یعنی بالفاظ دیگر دنیاوی ترقی کے لئے اس کی کوئی عظمت و اہمیت نہیں۔ ایک حد تک یہ بات ٹھیک بھی ہے۔ کیونکہ ویدوں نے کہا ہے۔ کہ "اوم ہی ایک عظیم ترین راز ہے۔ اوم ہی دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے" جو "اوم" کے راز کو پہچان لیتا ہے۔ وہی من مانی مراد حاصل کرتا ہے"۔ اس لئے پہلے اس "اوم" کے راز کو جانو۔ اور یہ سمجھ لو کہ "اوم" "تم ہی ہو" "تت توم اسی"۔ کے بھید کو پہچانو۔ یہ جان اور پہچان لینے پر تم جو کچھ بھی چاہو گے۔ وہی پاؤ گے۔ میں خواہ ایک چھوٹا سا حقیر کیڑا ہوں۔ اور تم ایک شاندار پُر زور گھوڑے ہو۔ لیکن یاد رکھو۔ کہ ہم دونو کی طاقت کا لامحدود خزانہ ایک پرماتما ہی ہے۔ اسی میں سے ایک ناچیز کیڑا اپنی طاقت حاصل کرتا ہے۔ اور اسی میں سے شہزور شاہی گھوڑا۔ ہم دونو بھی اسی میں سے جتنی طاقت چاہیں لے سکتے ہیں۔ اس لئے آپ کو خود اعتقادی کا سبق سیکھنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ کوشش کرنے سے آپ جو بھی چاہیں۔ پرماتما کے اننت بھنڈار سے حاصل کر سکتے ہیں ؎

ادویت واد کا یہی راز ہے۔ کہ پہلے اپنے آپ میں وشواس کرنا سیکھو۔ پھر کسی دوسرے پر اعتماد رکھو۔ دنیا بھر کی تاریخ میں آپ یہ دیکھیں گے۔ کہ صرف ان قوموں نے سلسلہ میں ترقی کی ہے۔ جنہیں اپنی طاقت اور قوت پر اعتماد تھا۔ ہر ایک قوم کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ صرف وہی شخص مشہور اور

کامیاب ہوئے ہیں جنہیں اپنی ذات پر اعتماد کامل تھا۔ یہیں ہندوستان میں ایک معمولی سا انگریز کلرک آیا تھا۔ جس نے افلاس کے باعث دو مرتبہ اپنے سر میں پستول کی گولی مار کر خودکشی کرنا چاہی لیکن دونوں مرتبہ ہی وہ ناکامیاب رہا۔ تب اسے یہ یقین ہو گیا۔ کہ میں دنیا میں ضرور کوئی بڑی خدمت سرانجام دینے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ یہی شخص اپنی آئندہ زندگی میں ہندوستان کے اندر سلطنت برطانیہ کی بنیاد ڈالنے والا لارڈ کلایو بنا۔ اگر اس نے پادریوں کی باتوں پر یقین کر کے یہی کہا ہوتا کہ "اے خداوند خدا میں بہت کمزور ہوں۔ میں بڑا گنہگار ہوں" تو وہ کہاں ہوتا؟ ایک پاگل خانے میں۔ ان کمزور خیالات کو سکھا سکھا کر ہی تمہارے بزرگوں کے مذہبی گوروؤں نے تمہیں دیوانہ بنا دیا۔ میں نے دنیا بھر میں گھوم پھر کر یہ دیکھا ہے کہ ان گناہ آلود عقائد نے ہی بنی نوع انسان کو تباہ کر ڈالا ہے۔ ہمارے بچے جب ایسے ہی خیالات اپنے دلوں میں لئے بڑے ہوتے ہیں۔ تو پھر اگر وہ نیم خبطی ہوں! تو تعجب ہی کیا ہے؟

اپنی ذات میں اعتماد پیدا کرو

ادویت واد کا عملی پہلو یہی ہے کہ اپنی ذات میں اعتماد پیدا کرو۔ اور اگر تم دھن دولت چاہتے ہو۔ تو اسے حاصل کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کرو۔ وہ تمہیں ضرور ملے گی۔ اگر تم قابل اور لائق ہونا چاہتے ہو۔ تو اس کے لئے کوشش کرو۔ اور تم ویسے ہی ہو جاؤ گے اگر تم آزاد ہونا چاہتے ہو۔ تو کوشش کرو۔ آزادی تمہارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہو گی۔ اگر تم دیوتا بننا چاہتے ہو۔ تو یہ یقین کرو! اور تم دیوتا بن

جاؤ گے"۔ نروان چدانند کا آشیرواد"۔ بس بھول یہیں پر ہوتی ہے۔ کہ ادویت واد کا استعمال صرف روحانیت میں ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن اب وہ زمانہ آگیا ہے۔ جبکہ آپ کو عملی دنیا میں بھی اس سے کام لینا پڑیگا۔ اب یہ ایک پوشیدہ راز نہ رہیگا۔ اب یہ رشیوں کے ساتھ بنوں میں۔ کندراؤں میں یا ہمالیہ پربت میں چھپا نہ رہیگا۔ بلکہ دنیا کا ہر ایک انسان اسے عملی جامہ پہنا سکے گا۔ راجہ کے مندر میں سنیاسی کی گفا میں۔ غریب کی جھونپڑی میں ہر جگہ ہی اس کا استعمال کیا جا سکیگا اور ایک بھکاری بھی اس کا استعمال کر سکے گا۔ کیونکہ گیتا میں بھگوان کرشن نے فرمایا ہے "اگر یہ دھرم تھوڑا سا کیا ہوا بھی ہر ایک بڑے خوف سے بچا لیتا ہے"۔

خوف نہ کرو

اس لئے خواہ تم مرد ہو یا عورت۔ شودر ہو یا کچھ اور۔ تم ذرا بھی خوف نہ کرو۔ کیونکہ کرشن بھگوان کا قول کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسے آریہ سنتان۔ غفلت چھوڑ دے! بیدار ہو جا اور اٹھ کھڑی ہو۔ جب تک تیرا مقصد حاصل نہ ہو برابر کوشش کرتی رہ۔ ادویت واد پر عمل کرنے کا یہی وقت ہے۔ آ! اسے آکاش سے پرتھوی پر اتار دے۔ کیونکہ زمانہ حال میں یہی ہمارا سب سے افضل فرض ہے۔ دیکھو تمہارے جنم داتا مہرشی پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں۔ بچو! ٹھیر جاؤ! اپنی تعلیم اور تلقین کو میدان عمل میں آنے دو۔ اور سوسائٹی کی رگ رگ میں پیوست ہو جانے دو۔ اسے ہر ایک انسان کی زندگی میں حصہ لینے دو۔ قوم کا ایک مشترکہ خزانہ بن جانے دو۔ اور افراد قوم کی رگ رگ میں خون کے ساتھ بہنے دو!

یہ سنکر تمہیں تعجب ہوگا۔ کہ مغرب کے لوگ دیانت پر تم سے زیادہ عمل کرتے ہیں۔ نیویارک کے ساحل پر کھڑا ہوکر میں یہ دیکھا کرتا تھا۔ کہ کس طرح مختلف ممالک سے اپنے ہموطنوں کے قدموں میں کچلے ہوئے پردیسی وہاں آتے ہیں! ان کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی میلی گٹھری ہی ان کی دولت ہوتی ہے وہ کسی بھی انسان کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر نہیں دیکھ سکتے۔ جب وہ کسی پولس والے کو دیکھ پاتے ہیں۔ تو فوراً خوف سے ہٹ کر راستے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ مگر چھ مہینے میں ہی وہ اچھی پوشاک پہنے۔ سب کی نظروں سے نظریں ملاتے اور اکڑتے ہوئے چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس عجیب و غریب کایا پلٹ کا باعث کیا ہے؟ فرض کرلو کہ وہ شخص آرمینیا یا کسی اور ملک سے آیا ہے۔ جہاں اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کرکے سب اسے ٹھوکریں مارتے تھے۔ جہاں ہر شخص اس کو ٹھکرا کر یہی کہتا تھا۔ کہ "تو غلام پیدا ہوا ہے۔ اور عمر بھر غلام ہی رہے گا۔ جہاں وہ اگر ذرا بھی ہلنے کی کوشش کرتا۔ تو اس کے ہزاروں ٹھوکریں پڑتیں اور ہر شخص اس سے یہی کہتا "او غلام! تو غلام ہے۔ وہیں رہ! نا امیدی میں تو پیدا ہوا تھا۔ نا امیدی رہیگا۔" وہاں کی فضا ملکی گونج گونج کر اس کیلئے یہی اعلان کر رہی تھی۔ کہ "تیرے لئے کوئی امید نہیں۔ تو غلام ہے۔ وہاں ظالموں اور زبردستوں نے اسے پیس ڈالا تھا لیکن جب وہ نیویارک کی وسیع سڑکوں پر آیا۔ تو اس نے اچھی پوشاک پہنے ایک مہذب شخص کو اپنے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے پایا۔ اچھے اور برے کپڑوں نے دونوں کی حالت میں کوئی فرق نہیں ڈالا۔ آگے چل کر اسے ایک ہوٹل ملا۔ جہاں کتنی ایک مہذب اسی ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ اسے بھی اسی میز کے ایک طرف

بیٹھ کر کھانا کھانے کے لئے کہا گیا۔ وہ یہاں ہر طرف پھرا اور اسے ایک نئی زندگی کا احساس ہونے لگا۔ یہاں اس نے محسوس کیا۔ کہ وہ بھی کم از کم انسانوں میں سے ایک انسان ہے۔ شاید وہ واشنگٹن بھی گیا۔ اور وہاں اس نے امریکہ کی ریاستہائے متحدہ کے صدر سے بھی ہاتھ ملایا۔ یہاں اس نے دور دراز حصص ملک سے آئے ہوئے کسانوں کو دیکھا۔ جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے مگر ملک کے سب سے بڑے حکمران صدر ریاستہائے متحدہ سے دست بجہ لیتے تھے۔ اب بابا کا پردہ اسکی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گیا۔ برسوں کی غلامی اور کمزوری کے باعث وہ یہ بھول گیا تھا۔ کہ میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی ہوں۔ ایک مرتبہ پھر بیدار ہو کر اس نے دیکھا۔ کہ دنیا کے دیگر انسانوں کی مانند وہ بھی ایک انسان ہے۔

اپنے ہموطنوں کو اٹھاؤ

ہمارے ہی ملک میں۔ ویدانت کی اس پنیہ بھومی جنم بھومی میں ہی۔ صدیوں سے ہمارے ہموطن اس ذلت کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ چھونا اور بیٹھنا بھی پاپ سمجھا جاتا ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے نا امید و مایوس ہی تم پیدا ہوئے تھے۔ نا امید و مایوس ہی تم رہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ روز بروز گرتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کی جو ذلیل سے ذلیل حالت ہو سکتی ہے۔ وہ آج اس حالت تک پہنچ گئے ہیں۔ دنیا بھر میں ایسا ملک کونسا ہے۔ جہاں انسان کو حیوانوں کے ساتھ سونا پڑتا ہو۔ اس کے لئے جاپانیوں اور انگریزوں کی مانند دوسروں کو قصوروار نہ ٹھیراؤ۔ جہاں معلول ہے وہیں علت بھی ہے۔ اس لئے اس کے لئے قصوروار ہم ہی ہیں۔ اس لئے مستقل مزاجی سے کمربستہ ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرو۔ دوسروں کے اوپر کیچڑ نہ پھینکتے پھرو۔ ان تمام قصوروں اور گناہوں کی جن سے تم تکلیف پا رہے ہو۔ ذمہ داری تمام و کمال تمہارے ہی کندھوں پر ہے۔

لاہور کے نوجوانو! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔ کہ تمہارے تمام نسلی، پیدائشی اور ذاتی گناہوں کا بوجھ تمہارے کندھوں پر ہے۔ تم خواہ کتنی بھی سبھا، سوسائٹیاں اور کانفرنسیں کرڈالو تمہارا اب تک کچھ بھی بھلا نہ ہوگا جب تک تمہارے دل میں وہ پریم اور پہلو میں وہ دل نہ ہوگا جو کہ ہمدردی سے پُر ہو! اور جو دوسروں کے دکھ سکھ کو اپنا ہی دکھ سکھ سمجھے۔ جب تک ہندوستان میں ایک مرتبہ پھر بدھ کا سا دل نہیں آتا۔ جب تک یوگیشور کرشن کے الفاظ عملی صورت اختیار نہیں کرتے۔ تب تک ہمارے لئے دنیا میں کوئی بھی امید نہیں۔ تم جتنی بھی چاہو اہل یورپ کی نقل کرتے جاؤ۔ لیکن تمہارا بھلا نہیں ہوسکتا۔

سنو! میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں۔ جو میرا چشم دید ایک بالکل سچا واقعہ ہے برہما سے چند یورپین کچھ برہمیوں کو لندن لے گئے۔ اور انہیں دکھا دکھا کر وہاں کے باشندوں سے پیسے وصول کرنے لگے۔ بعد ازاں انہوں نے یورپ کے ملک آسٹریا میں لیجا کر انہیں وہیں مرنے جینے کے لئے چھوڑ دیا۔ وہ بیچارے یورپ کی کوئی بھی زبان نہیں جانتے تھے لیکن آسٹریا کے انگریزی سفیر نے انہیں لندن بھجوا دیا۔ لندن میں بھی وہ بالکل اجنبی ہونے کے باعث بالکل بے یار و مددگار تھے۔ وہاں ایک انگریز لیڈی کو ان کا پتہ لگا۔ وہ انہیں اپنے گھر لے آئی۔ وہاں اس نے انہیں پہننے کے لئے اپنے پاس سے کپڑے اور سونے کیلئے اپنے پاس سے ہی بستر دیئے۔ پھر اس نے اخبارات میں انکا حال زار شائع کرا دیا۔ اس کے اگلے ہی دن تمام قوم گویا ایک خواب غفلت سے بیدار ہوگئی۔ بہت سے روپے اکٹھے ہوگئے اور وہ لوگ برہما واپس بھیج دیئے گئے۔

اس قسم کی ہی برادرانہ ہمدردی پر ان کا تمام مجلسی اور سیاسی نظام قائم ہے۔ ان میں ہر ایک کے دل میں کم از کم اپنے ہموطنوں کے لئے ایک اٹل پریم ہے۔ انہیں خواہ

باقی دنیا سے محبت نہ ہو۔ باقی دنیا کی تمام اقوام خواہ ان کی دشمن ہی ہوں لیکن اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اپنے ہم قوم لوگوں کے لیئے ان کے دل میں ایک نہایت زبردست محبت و الفت ہے۔ اور اپنے دروازے پر آئے ہوئے پردیسیوں کیساتھ بھی وہ رحم و انصاف کا سلوک روا رکھتے ہیں یہ میری سخت احسان فراموشی ہو گی۔ اگر میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ کس طرح مغرب کے ہر ایک ملک میں میرا نہایت عزت اور دھوم دھام سے خیر مقدم کیا گیا لیکن یہاں ہمارے ملک میں وہ دل کہاں ہے جس پر تم اپنی قومیت کے عظیم الشان محل کی بنیاد قائم کرو گے۔ ہم ایک چھوٹی سی کمپنی بنا کر کام شروع نہیں کرتے کہ فوراً ایک دوسرے کو دھوکا دینے لگتے ہیں۔ اور جلد ہی سب کام ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔

اپنی قومیت کی بنیاد مضبوط کرو

تم کہتے ہو۔ کہ ہم ان کی پیروی کریں گے۔ انہیں کی مانند اپنی بھی ایک قوم بنائینگے۔ لیکن یہاں وہ بنیاد کہاں ہے جس پر تمہاری قومی عمارت قائم ہو گی۔ یہاں تو اس وقت چاروں طرف بالو ریت ہی بالو ریت ہے۔ اسی لئے تم اس پر جو عمارت کھڑی کرتے ہو۔ وہ فوراً ہی دھم سے بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے اے لاہور کے نوجوانو! ایک مرتبہ پھر ادویت واد کے اس مہتیال جھنڈے کو بلند کرو۔ جب تک تم اپنے دلوں میں پیار و پریم پیدا نہ کرو گے تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اٹھو! اس پریم کے جھنڈے کو فضا میں لہرا دو۔ جاگو اٹھ کھڑے ہو۔ اور جب تک اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ جاؤ۔ برابر آگے بڑھتے چلے جاؤ!

جاگو! جاگو! ایک مرتبہ پھر جاگو! کیونکہ بغیر تیاگ کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر تم درحقیقت دوسروں کی مدد کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنی فکر چھوڑ دو! بقول مسیح تم ایک ساتھ ہی

ایشور اور شیطان دونوں کی پوجا نہیں کر سکتے۔ تمہارے جنم داتا تپسوی مہا پرش بڑے بڑے کام کرنے کے لئے سنسار چھوڑ دیتے ہیں۔ آج بھی ایسے شخص دنیا میں ہیں جنہوں نے مکتی پانے کیلئے سنسار چھوڑ دیا ہے۔ لیکن تم یہ موہ بھی چھوڑ دو۔ اپنی مکتی کی بھی فکر نہ کرو۔ اور دوسروں کی مدد کرنے کے لئے میدان میں نکل آؤ۔ تم لوگ ہمیشہ لمبی چوڑی باتیں بنایا کرتے ہو۔ یہ دیکھو دیانت کا پروگرام۔ اپنے اس پچھتر جیون کو اس شاندار پروگرام کے لئے قربان کر دو۔ ہم تم چاہے اگر ہزاروں بھی روزے اور برت رکھ رکھ کر فاقہ کشی کرتے ہوئے مر جائیں۔ تو اس سے کیا حاصل؟ اگر ہماری قوم ہی زندہ نہ رہی دیکھو! تمہاری قوم روز بروز پستی اور ذلت کے گڑھے میں ڈوبتی جاتی ہیں۔ ان بے شمار ہندوستانیوں کی آہیں جنہیں تم نے شفاف اور پاک ندیوں اور دریاؤں کے ہوتے ہوئے بھی گندے جوہڑوں کا پانی پینے کے لئے مجبور کر رکھا ہے۔ جن سے تم لوگ اچھے اچھے کنوؤں کے اونچے اونچے گھیرے ہوتے ہوئے بھی جبراً فاقہ کشی کرا رہے ہو جنہیں تم دو ویت ودیا سبق دیتے ہوئے اپنے دل سے ان کیلئے نفرت اور حقارت کا سلوک روا رکھتے ہو۔ جن کیلئے تم نے کوئی گنہ کے اندھے مہانت گھڑ لئے ہیں۔ اور صرف زبانی طور پر ان سے یہ کہا ہے۔ کہ تم سب بڑا ایک ہی ایشور ہے لیکن اس مہانت کو تم نے کبھی عملی جامہ نہیں پہنایا۔ اور نہ اسکی کبھی کوشش ہی کی۔ اپنے سب بے شمار اچھوت اور دلت بھائیوں کا شراپ آج تمہارے سر پر ہے۔ تم نے ان سے یہی کہا ہے۔ "دوستو! یہ سب خیالات اپنے دلوں میں ہی رکھو۔ لیکن انہیں عملی جامہ پہنانے کی کبھی کوشش نہ کرو۔"

اپنے کلنک کا دھبہ مٹا دو

بھائیو! آؤ! اٹھو! اور آج کلنک کے کالے دھبے کو ہمیشہ کیلئے مٹا دو۔ جاگو!

اٹھ کھڑے ہو! اگر یہ محدود اور چھوٹی سی زندگی اس مقصد کے لیئے قربان ہوتی ہے۔ تو ہونے
دو! یاد رکھو! دنیا کے ہر ایک جاندار کو ایک روز مرنا ہے۔ پاپی کو بھی اور مہاتما کو بھی۔
امیر کو بھی اور غریب کو بھی! اس لیئے بیدار ہو جاؤ۔ اپنے دلوں میں صداقت کے پریم کو پیدا
ہونے دو۔ ہم لوگوں میں بیجد دھوکے بازی داخل ہو گئی ہے۔ اسے دور کر دو۔ اس وقت
ہمیں چال چلن کی اس طاقت کی ضرورت ہے۔ اس مستقل مزاجی اور اٹل ارادے کی درکار ہے۔ جو انسان
کو موت کی مانند اپنے پنجے میں گرفتار کر لیتا ہے۔ اور جس کے زیر اثر آکر انسان زندہ جاوید
راج رشی بھرتری کے الفاظ میں یوں للکار اٹھتا ہے :۔

نیتی نپن مرا ہیں۔ یا نندا کریں — لکشمی گھر میں آئے۔ چاہے لٹ جائے گھر
مرنا آج ہی ہو امر ہو جاؤں یا — جیتا کریہ کبھی ٹلوں نہیں دھرم سے

اس لیئے دوستو! عزیزو! بھائیو! بیدار ہو! اٹھ کھڑے ہو! وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے
اس طرح ہماری تمام طاقت باتیں بنانے میں ہی خرچ ہو جائیگی۔ دیکھو جب مسلمان پہلے پہل
ہندوستان میں آئے تھے تب یہاں ساٹھ کروڑ ہندو آباد تھے۔ آج وہیں بیس کروڑ سے
بھی کم ہیں۔ اگر یہی حالت رہی۔ تو روز بروز کم ہی ہوتے جائینگے۔ یہاں تک کہ ایک دن
ان کا نام و نشان بھی نہ رہیگا۔ لیکن انکا نام و نشان رہے یا نہ رہے۔ مگر ان کے ساتھ
ہی ویدانت کے وہ عدیم المثال خیالات بھی صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائیں گے
جن کے ہندو اپنے تمام عیوب اور کور اعتقادی کے باوجود بھی واحد وارث ہیں۔ ان گیتا
علم گیان کے ان گراں بہا جواہرات کا بھی تخس نخس ہو جائیگا۔ جن سے ادویت واد کے خزانے پر ہیں وہ

لہ۔ ۱۹۱۱ء میں جب یہ تحریر کی گئی تھی۔ شاید ہندوؤں کی آبادی اتنی ہی ہو۔ مگر آجکل
۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے ہندوؤں کی کل آبادی ۲۲ کروڑ ہے ۔ (مترجم)

کمر باندھ کر کھڑے ہو جاؤ

اسی لیے میں کہتا ہوں۔ بیدار ہو اور کمر باندھ کر کھڑے ہو جاؤ تا دنیا بھر کے آتم گیان کی حفاظت کیلئے اپنے بازو پھیلا دو۔ اور سب سے پہلے اپنی قوم کی اور اپنی جاتی کی رکشا کرو۔ ہمیں آتم گیان کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ ویدانت وار کو عملی جامہ پہنانے کی۔ پہلے روٹی اور پیچھے دھرم۔ جب تمہارے ہموطن اور ہمقوم بھوکوں مر رہے ہیں تب تم انہیں دھرم کھلانا چاہتے ہو۔ بھوک کی آگ سے دھرم سے شانت نہیں ہو سکتی۔ ہمیں گرانے والی دو طاقتیں سب سے بڑی ہیں۔ ایک تو ہماری اپنی اندرونی کمزوری دوسرے ہمارا رشک وحسد اور ہمارا خشک وسخت دل۔ تم لاکھ سدھانتوں کو مانو۔ لاکھ دھرم درم چلاؤ کا لیکن جب تک تمہارے دلوں میں سچا پریم اور ہمدردی نہ ہوگی تب تک ان سب باتوں سے کچھ نہ ہوگا ۔

اپنے غریب ہموطنوں سے محبت کرنا سیکھو

اس لیئے اپنے کنگال ہموطنوں سے تم اسی طرح محبت کرنا سیکھو جس طرح تمہارے وید تمہیں سکھاتے ہیں۔ اس امر حقیقت کو اپنے دلوں میں محسوس کرو۔ کہ غریب اور امیر پاپی اور پُنیہ آتما سب ایک ہی انت برہم کے مختلف حصے ہیں! اس طرح عزیزو! میں ادویت واد کے بڑے بڑے اصولوں کو مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ میں نے آپ کو یہ بھی بتلایا ہے۔ کہ جس طرح ان اصولوں کو آج اس ملک میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں ایک عملی صورت دینے کا وقت آ گیا ہے۔ جدید سائنس کا زبردست حملہ آج تمام دویت

وادی مذاہب کی کمزور مٹی سے بنی ہوئی دیواروں اور ان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ ہمارے بھارت ہی نہیں۔ بلکہ یہاں سے بھی بہت زیادہ یورپ اور امریکہ میں دوبیت وادی۔ سائنس کے حملوں سے اپنی حفاظت کرنے کیلئے بیقرار ہیں۔ اور اپنی مذہبی کتب کے مضامین نیز ان کے معانی میں کھینچ تان کر رہے ہیں۔ کبھی ادھر کھینچتے ہیں کبھی ادھر کھینچتے ہیں۔ لیکن ان مذہبی کتب کے الفاظ و فقرات کچھ ربڑ کے تو ہیں ہی نہیں۔ جو کھینچتے ہی چلے جائیں گے۔ اس لئے ہمارے ادویت واد کے سدھانتوں کو وہاں لے جانا ہوگا۔ اب تک ادویت واد کا پیغام جو وہاں پہنچ چکا ہے۔ اسے خوب پھیلانا ہوگا۔ تاکہ وہ ان کی تہذیب کی مادہ پرستی کے حملے سے حفاظت کر سکے ؛

پہلے سونے اور شیطان کی پوجا سے اپنے ملک کو بچاؤ

مغرب میں پرانے خیالات کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ سونے اور شیطان کی پوجا جنم لے رہی ہے۔ ان کے اس زر پرستی اور کاروباری رقابت کے دھرم سے ان کے قدیم کر اعتقادی سے پُر مذاہب کہیں اچھے تھے۔ لیکن خواہ کوئی قوم کتنی بھی طاقتور اور زبردست کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ ہی ان بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتی۔ دنیا کی تاریخ پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ جن قوموں کی بنیادیں ایسی کمزور تھیں وہ کبھی کی تباہ و برباد ہو چکیں۔ سب سے پہلے ہمیں اس خطرناک لہر کو ہندوستان میں آنے سے روکنا چاہیے۔ اس لئے یہاں ادویت واد کا خوب زور شور سے پرچار کرو تاکہ سائنس کے اس زبردست حملے کا دھرم پر کچھ اثر نہ ہو سکے ؛

بھگوان تمہارا کلیان کریں

بھارت ہی نہیں بلکہ تمہیں دوسروں کی بھی مدد کرنی ہوگی۔ تمہارے خیالات یورپ اور امریکہ کی حفاظت کرینگے۔ لیکن ایک مرتبہ میں تمہارے پروگرام کی یاد پھر تمہارے دل میں تازہ کرا دوں۔ جو اس طرح پر ہے۔ کہ سب سے پہلے اپنے ملک کے بیشمار اچھوت اور دلت بھائیوں کا تمہیں ادھار کرنا ہوگا۔ پھر دوسرے ملکوں کی مدد کو دوڑنا۔ اس لئے بھگوان کرشن کے الفاظ کو اپنے لوح دل پر نقش کرتے ہوئے۔ انہیں ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھانے اور اپنی چھاتی سے لگانے کے لئے آگے بڑھو۔ بھگوان تمہارا کلیان کریں گے۔ دیکھو! بھگوان فرماتے ہیں اور

پکار پکار کر کہہ رہے ہیں

"اس زندگی میں انہوں نے سورگ پا لیا ہے۔ جن کے ہردیوں میں برہم کی ایکتا کا درڑھ وشواس ہے۔ کیونکہ ایشور پرم پوتر ہے۔ اور سب کے لئے یکساں ہے جو ایسا سمجھتے ہیں۔ ان ہی کے لئے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ پرماتما میں نواس رکھتے ہیں"

اوم شم

باہتمام لالہ مرلی رام منیجر شیدا مدرسہ پریس واقع چیٹرجی روڈ لاہور پریس میں چھپی۔ اور میسرز نارائن دت سہگل اینڈ سنز۔ جنرل بک ڈپو اردو بازار لاہور سے شائع کی۔



Printed by Kirpa Ram Engraver Anarkali Lahore